

مرکز اہل السنۃ لبحرۃ مکرودھما کا ترجمان

مولانا محمد الیاس گھمن
مدیر



شمارہ 5

مئی 2016

جلد نمبر 5

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ

ایک۔۔۔ کا۔۔۔ سات سو گنا

ترتیب میں زوال
سے پہلے اذان جمعہ

میراث اور اس کے مسائل

پاکستان میں سرمایہ کاری کریں

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ

www.ahnafmedia.com



مرکز اہل السنّت والجماعت سرگودھا کا ترجمان



شمارہ نمبر 5

مئی 2016

جلد نمبر 5

معاون مدیر

مولانا محمد کلیم اللہ حنفی

مدیر

مولانا محمد الیاس گھمن

خط و کتابت کا پتہ

بیرون ممالک

امریکہ، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک
35 ڈالر سالانہ

سعودیہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور عرب ممالک
25 ڈالر سالانہ

ایران، بنگلہ دیش 20 ڈالر سالانہ

دفتر رسائل و جرائد
مرکز اہل السنّت والجماعت
87 جنوبی سرگودھا

mag@ahnafmedia.com

آن لائن پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کے لیے

www.ahnafmedia.com

قیمت فی شمارہ 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ

300 سالانہ زر تعاون روپے

سرکولیشن مینیجر

0332-6311808

صبح 8 تا 4 بجے شام



WhatsApp

+923062251253

مرکز اہل السنّت والجماعت سرگودھا

فہرست

پاکستان میں سرمایہ کاری کریں ! 3

اداریہ

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ 5

مولانا محمد الیاس گھمن

خصوصیت و مزاج علمائے دیوبند اعتدال 17

مولانا سلیم اللہ خان

حریمین میں زوال سے پہلے اذان جمعہ 28

مفتی نجیب احمد قاسمی

ایک کا سات سو گنا 35

مولانا محمد مبشر بدر

میراث اور اس کے مسائل 38

مفتی محمد نجیب قاسمی

نماز جمعہ شہر اور بڑے دیہات میں ہی جائز ہے ! 48

پاکستان میں سرمایہ کاری کریں!

اداریہ

کسی بھی ملک کے استحکام اور ترقی یافتہ ہونے میں معیشت کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے۔ معیشت مضبوط اور محفوظ ہو تو ملک مستحکم ہوتا ہے اور ترقی کی منزلیں طے کرتا ہے اور اگر اس کی معیشت مضبوط نہ ہو تو ملکی استحکام کمزور ہوتا ہے اور ملک ترقی کے بجائے تنزلی کی طرف گرتا جاتا ہے۔

معیشت کی مضبوطی کے لیے جہاں ملکی صنعت و حرفت اور تجارت کا کردار ہوتا ہے وہیں پر بیرونی سرمایہ کاری کا بھی اس میں بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔ اگر ملکی صنعت و حرفت اور تجارت ناکافی ہوں تو ملک اور عوام کے خیر خواہ حکمران اپنے ملک میں بیرونی سرمایہ کاری کو اہمیت دیتے ہیں۔ تاکہ ملک مالی بد حالی سے نکل کر خوشحالی تک پہنچے اور وہاں کے عوام خوشحال زندگی بسر کریں۔

پاکستان میں گزشتہ کئی سالوں سے بیرونی سرمایہ کار اپنا سرمایہ لگانے سے گریز کر رہے ہیں، اس کی بہت سے وجوہات ہیں مثلاً یہاں دہشت گردی کے مسلسل ایسے واقعات پیش آرہے ہیں کہ لوگوں کو جان کے ساتھ ساتھ اپنے مال کا تحفظ بھی غیر یقینی نظر آرہا ہے دہشت گرد عناصر کی جانب سے سرمایہ کاری کرنے والوں کو جان و مال سے ہاتھ دھو ڈالنے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اور پاکستان کے بدخواہ بیرونی سازشی عناصر بھی غیر ملکی سرمایہ کاروں کو پاکستان میں سرمایہ کاری سے روکنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ بیرونی سرمایہ کار جب پاکستان میں سرمایہ کاری کا سوچتے

ہیں تو وہ یہ جان کر حیران رہ جاتے ہیں کہ اس ملک کی قسمت بدلنے والے حکمرانوں کی اولادیں یہاں سرمایہ کاری نہیں کرتیں بلکہ پاکستان سے باہر آف شور کمپنیوں کے مالک ہیں تو ان کا ارادہ یکسر بدل جاتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کچھ دہائیوں سے پاکستان کی صورت حال ابتری کا شکار ہے۔ سابق حکمران طبقے نے یہاں کی دولت سوانس بینکوں میں اکٹھی کی اور پاکستان کو غربت کی طرف دھکا دیا۔ عوام کو ان سے نجات دلانے کے لیے موجودہ حکمران طبقے نے بہت وعدے کیے۔

علی الاعلان یہ دعوے بھی دانغے کہ وہ ملک کی لوٹی ہوئی دولت وطن میں واپس لائیں گے، پاکستان میں بیرونی سرمایہ کاروں کے لیے سازگار ماحول بنائیں گے تاکہ ملک ترقی کر سکے۔

لیکن حالات کا رخ اس کے الٹ جا رہا ہے ہمارے حکمران طبقے کی اپنی دولت پاکستان سے باہر بیرونی ملکوں میں ہے، پاکستان کا ہر محب وطن اور صاحب عقل شہری یہ کہہ رہا ہے کہ پاکستان کے حکمران جب تک خود پاکستان میں سرمایہ کاری نہیں کریں گے بھلا بیرونی سرمایہ کار پاکستان میں سرمایہ لگانے پر کیسے تیار ہوں گے؟ اگر بیرونی سرمایہ کاری پاکستان نہیں آئے گی تو پاکستان کی معیشت ہر گز مضبوط نہیں ہوگی اور ترقی میں راہ میں مشکلات بھی جنوں کی توں برقرار رہیں گی اور اگر معیشت کو مضبوط نہیں بنایا جائے گا تو وطن عزیز میں استحکام کے خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوں گے۔ ایسے حالات میں ہمارے حکمرانوں کو چاہیے کہ اپنی قوم سے کیے گئے وعدوں کو پورا کریں اور وطن عزیز میں خود بھی سرمایہ کاری کریں اور بیرونی سرمایہ کاری کے ماحول کو سازگار بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

عالم اسلام کی عہد ساز شخصیت

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ

مولانا محمد الیاس گھمن

کوفہ جس کے دروازوں سے صدیاں گزر چکی ہیں۔ ایسا سنگم ہے جہاں عرب و عجم کی سرحدیں گلے مل رہی ہیں، یاہوں کہیے کہ عربی و عجمی کی باہم برتری و کمتری کی تقسیم و تفریق دم توڑ رہی ہیں۔ اس کے چپے چپے پر سینکڑوں جلیل القدر اصحاب پیغمبر کے حسن خرام کے پھول کھلے ہیں اس کی ہواؤں میں انفاسِ صحابیت کی خوشبوئیں بسی ہوئی ہیں۔ اس کے انگ انگ سے فراست و بصیرت انگڑائیاں لے رہی ہیں۔ خلافتِ فاروقی کے مبارک عہد میں اس کی علمی و سیاسی اساس رکھی گئی۔ ایک ہزار پچاس جلیل القدر صحابہ جن میں چوبیس ایسے شیر دل مجاہد بھی تھے جو غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے تھے، کوفہ آئے اور اسے علم و تقویٰ، عمل و اخلاص، آداب و اخلاق، فضل و کمال اور تدبیر و سیاست کے موتیوں سے سجادیا۔

جائے ولادت:

ہجرت رسول کو 80 برس بیت چکے تھے، عبد الملک بن مروان کی حکومت تھی اور حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ اس کے دار الخلافہ کوفہ میں مشیت ایزدی نے یآوری کی اور بشارت نبوی کی پیشین گوئی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوئی ثابت بن زوطی کے گھرانے میں ایک بچے نے آنکھ کھولی جسے دنیا سر تاج الفقہاء سید المحدثین امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کے نام سے یاد کرتی ہے۔ یہ وہ عہد تھا کہ

حالت ایمان میں وجود پیغمبر کی صحبتیں اٹھانے والے (یعنی صحابہ کرام) میں سے چند بزرگ بھی موجود تھے جن میں سے بعض امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے آغازِ شباب تک اپنے وجود کی برکتیں زمانے کو بانٹتے رہے۔

نام و نسب:

نعمان بن ثابت۔ نعمان اصل میں اُس خون کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے بدن کا قوام ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ رحمہ اللہ کے ذریعے ملت اسلامیہ کا قوام ہے۔ یا نعمان بمعنی گل لالہ۔ آپ کے فضائل ایسے خوشبودار ہیں جیسے گل لالہ (پاک و صاف کردار کے مالک ہیں، فضائل اس طرح مہکتے ہیں جیسے گل لالہ کی خوشبو مہکتی ہے)

کنیت:

آپ کی کنیت ابو حنیفہ ہے یہ کنیت نسبی نہیں بلکہ وصفی ہے جیسے ابو ہریرہ اور ابو تراب وغیرہ چونکہ دین اسلام کا نام قرآن نے ملت حنیف بتلایا ہے اسی طرح امام اعظم نے سب سے پہلے اس دین حنیف کی تدوین فرمائی ہے اور عربی محاورہ میں ”اب“ کے معنی ہوتے ہیں ”والا“ چونکہ آپ نے دین حنیف کی تدوین فرمائی اس لیے آپ کی کنیت ابو حنیفہ قرار پائی۔

بشارت نبوی:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ قرآن کریم کی آیت مبارکہ وَاٰخِرِيْنَ مِنْهُمْ لَهَا يَلْحَقُوْا بِهِمْ نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر علم / دین / ایمان ثریا ستارے تک بھی پہنچ جائے تو

فارس کے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے۔ امام جلال الدین سیوطی الشافعی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارت دی ہے اس کا مصداق حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہے۔

خلیفہ مبارک:

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ خوبصورت داڑھی، عمدہ کپڑے، اچھے جوتے، خوشبودار اور بھلی مجلس والے رعب دار آدمی تھے۔ آپ کی گفتگو نہایت شیریں، آواز بلند اور صاف ہوا کرتی تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کرتے تھے۔ خوش لباس رہتے تھے۔

بچپن کا زمانہ:

تاریخ نویسوں نے اس وقت کا یوں نقشہ کھینچا ہے: حجاج بن یوسف، خلیفہ عبد الملک کی طرف سے عراق کا گورنر مقرر تھا۔ ہر طرف ظلم و جور کی سنسناہٹ تھی۔ ایک قیامت برپا تھی۔ حجاج کی سفائیاں تاریخ سے وابستہ ہر شخص کو معلوم ہیں۔ خلیفہ عبد الملک 86ھ میں فوت ہوا تو اس کا بیٹا ولید تخت نشین آراء ہوا۔

عمر بن عبد العزیزؒ فرمایا کرتے تھے۔ "ولید شام میں، حجاج عراق میں، عثمان حجاز میں، قرہ مصر میں، واللہ تمام دنیا ظلم سے بھری تھی۔" حجاج 95ھ میں چل بسا۔

96ھ میں ولید نے بھی یہاں سے کوچ کیا۔ اس کے بعد سلیمان بن عبد الملک مسند خلافت پر جلوہ آرا ہوا مورخین کہتے ہیں کہ بنو امیہ کے حکمرانوں میں سب سے اچھا انسان اور صاحب فضل و کمال تھا۔ سلیمانؒ نے مرتے وقت یہ وصیت لکھی کہ میرے بعد عمر بن عبد العزیزؒ کو تخت نشین بنایا جائے۔ 99ھ میں سلیمان بھی اپنا وقت پورا کر کے راہی ملک بقا ہوا۔

وصیت کے مطابق عمر بن عبد العزیزؒ خلافت پر آئے جن کا عدل و انصاف اور علم و عمل اہل علم کی قدردانی تاریخ میں روشن آفتاب کی طرح چمک رہی ہے۔ حجاج اور ولید کے دور اقتدار میں آپ رحمہ اللہ نے خز (ایک خاص قسم کے کپڑے) کا کارخانہ قائم کر کے منافع بخش تجارت کی۔

عہد صحابہ میں :

اہل علم نے لکھا ہے کہ 70 صحابہ کرام کا امام صاحب رحمہ اللہ نے زمانہ پایا ہے۔ ان میں سے بعض سے حدیث نقل بھی کی ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے ان کے نام بھی درج کیے ہیں۔ حضرت انس بن مالک، حضرت عبد اللہ بن جزء الزبیدی، حضرت جابر بن عبد اللہ، حضرت معقل بن یسار، حضرت واثلہ بن اسقع اور حضرت عائشہ بنت عمر رضی اللہ عنہم۔

تحصیل علم:

سلیمان کے دور اقتدار میں ایک دن امام صاحب بازار جا رہے تھے۔ کوفہ کے مشہور عالم دین امام شعبیؒ نے آپ کو دیکھ لیا اور پوچھا: بیٹا تم کس سے پڑھتے ہو؟" آپ نے نفی میں جواب دیا اس پر امام شعبیؒ نے کہا "مجھے تیرے اندر قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں، تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو۔" اس نصیحت کے بعد تحصیل علم کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ اس وقت علم کلام کو حاصل کرنے کے لیے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں۔ قدرت نے امام ابو حنیفہؒ میں یہ تمام باتیں جمع کر دی تھیں۔

اس وقت کے تمام گمراہ فرقوں کے سامنے آپ نے منطقی، استدلالی اور علمی انداز میں مذہب اسلام کی حقانیت کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا اور دین اسلام پر ہونے والے عقلی اعتراضات کو احسن انداز سے دور کیا۔

علم فقہ کا حصول:

اس وقت کوفہ میں امام حماد رحمہ اللہ کا مدرسہ طلباء دین کا مرجع سمجھا جاتا تھا اس کی ابتداء خلیفہ راشد حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے ہوئی تھی۔ اس کے بعد شریح، علقمہ اور مسروق رحمہم اللہ۔

پھر ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور ان کے بعد امام حماد رحمہ اللہ تک اس کی امامت پہنچی۔ حضرت علی و عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے فقہ کا جو سلسلہ چلا آتا تھا اس کا مدار انہی پر رہ گیا تھا۔ ان وجوہ سے امام ابو حنیفہؒ نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو انہی کو منتخب کیا۔

کمال ذہانت:

شروع شروع میں ایک نئے طالب علم ہونے کی وجہ سے درس میں پیچھے بیٹھتے۔ لیکن چند روز کے بعد جب امام حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں اس کا ہمسر نہیں ہے تو حکم دے دیا کہ ”ابو حنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔“

امام حماد کی جانشینی:

خود آپ کا بیان ہے کہ ”میں دس برس تک حمادؒ کے حلقہ میں ہمیشہ حاضر ہوتا رہا اور جب تک وہ زندہ رہے ان کی شاگردی کا تعلق کبھی نہیں چھوڑا۔ انہی دنوں میرے استاد امام حمادؒ کے ایک رشتہ دار کا انتقال ہو گیا تو وہ مجھے اپنا جانشین بنا کر تعزیت کے لیے سفر پر روانہ ہو گئے۔ چونکہ مجھ کو اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے، تلاذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں استاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی اس لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیئے اور

احتیاط کیلئے ایک یادداشت لکھتا گیا۔ دو مہینہ کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے تو میں نے وہ یادداشت پیش کی۔ اس سے میرے استاد بہت زیادہ خوش ہوئے اور بعض معمولی اصلاح بھی فرمائی۔ میں نے عہد کیا کہ حماد رحمہ اللہ جب تک زندہ ہیں ان کی شاگردی کا تعلق کبھی نہ چھوڑوں گا۔"

علم قرأت کا حصول:

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے قرأت امام عاصم رحمہ اللہ سے سیکھی جن کا شمار معروف قراء سبعہ میں ہوتا ہے اور انہیں کی قرأت کے مطابق قرآن حفظ کیا۔

حدیث کی تحصیل:

حمادؒ کے زمانہ میں ہی امام صاحبؒ نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام صاحبؒ کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔ لہذا کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ بچا جس کے سامنے امام صاحبؒ نے زانوئے تلمذتہ نہ کیا ہو اور حدیثیں نہ سیکھیں ہوں۔ اس سلسلے میں آپ نے مکہ مکرمہ کا سفر بھی کیا فن حدیث کے اساتذہ میں سے صحابہ کرام کے خاص معتمد اور فیض یافتہ حضرت عطاء سے استفادہ کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے۔ آپ کی قوت حافظہ اور قوت استدلال کو دیکھ کر حضرت عطاء آپ کو خصوصی توجہ سے نوازتے۔ 115ھ کو یہ آفتاب علم بھی غروب ہو گیا۔ حضرت عطاء کے بعد مکہ مکرمہ میں جن کے علم کا سکہ چلتا تھا ان کا نام مکرمہ ہے یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد تھے۔ آپ نے ان سے بھی علم حاصل کیا۔ اس کے بعد آپ مدینہ پہنچے تو بطور خاص سلیمانؒ اور سالم بن عبداللہؒ سے کسب فیض کیا۔ سلیمان ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے

غلام تھے۔ اور سالمؒ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابو حنیفہؒ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔ الغرض امام ابو حنیفہؒ کے اساتذہ کی تعداد محتاط اندازے کے مطابق بقول امام ابو حفصؒ کیسے چار ہزار تک پہنچتی ہے۔ آپ کے اساتذہ آپ سے انتہائی شفقت والا معاملہ فرماتے تھے۔

مسند حماد پر جلوہ آرائی :

امام حمادؒ نے 120ھ میں فوت ہوئے۔ ابراہیم نخعیؒ کے بعد فقہ کا دارو مدار چونکہ امام حماد پر ہی موقوف تھا اس لیے ان کی وفات سے چراغ علم ٹٹھا اٹھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابو حنیفہ سے درخواست کی کہ مسندِ درس کو زینت بخشیں۔ آپ کی عمر چالیس سال تھی۔

مبارک خواب :

تاریخ بغداد اور دیگر کتب میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں آپ نے یہ خواب دیکھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کھود رہے ہیں اور وہاں ہڈیاں جمع کر کے انہیں ترتیب سے رکھ رہے ہیں، یہ خواب دیکھ کر سخت پریشانی ہوئی جب اس کی تعبیر امام ابن سیرین سے پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ خواب دیکھنے والے شخص کو احادیث سے مسائل کے استنباط کی توفیق خاص نصیب ہوگی۔

آپ کے معمولات :

آپ نہایت عبادت گزار تھے کثرت سے نوافل پڑھتے۔ اکثر روزہ سے ہوتے قرآن کریم سے بے حد لگاؤ تھا۔ خوب تلاوت فرماتے آپ کے بارے میں

مورخین نے لکھا ہے کہ رمضان المبارک میں 60 مرتبہ قرآن کریم ختم فرماتے جبکہ عام مہینوں میں ایک رات میں مکمل قرآن کریم کا ختم فرماتے، تہجد گزار تھے، رات کو اللہ کے حضور اتنا روتے اتنا روتے کہ اس آواز سے پڑوسیوں کو بھی آپ پر ترس آتا۔
آپ کے اوقات کار:

صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے، دور دور سے استفتا آئے ہوتے۔ ان کے جواب لکھتے۔ پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی، بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا۔ پھر ظہر کی نماز پڑھ کر گھر آتے۔ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس و تعلیم کا مشغلہ رہتا۔ باقی دوستوں سے ملنے ملانے، بیماروں کی عیادت، تعزیت اور غریبوں کی خبر گیری میں صرف ہوتا۔ مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشاء تک رہتا۔ نماز عشاء پڑھ کر عبادت میں مشغول ہوتے اور اکثر رات رات بھر نہ سوتے۔

جذبہ خیر خواہی :

علم کے ساتھ ساتھ خدمت خلق کے جذبے نے آپ کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیوست کر دی۔ آپ لوگوں کی مشکلات میں ان کا ہاتھ بٹاتے، لوگوں کا بوجھ اٹھانے لگے اور ایسے ایسے کام کرنے لگے جن کو کرنے سے دوسرے لوگ عاجز تھے۔ مفلس اور نادار لوگوں کی کفالت بھی آپ نے خوب کی۔ آپ کی علمی شہرت اور خدمت خلق کے چرچے دنیا بھر میں عام ہونے لگے یہاں تک کہ مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، مصر، یمن، یمامہ، بغداد، اصفہان، استر آباد، ہمدان، طبرستان، مرجان، نیشاپور، سرخس، بخارا، سمرقند، کس، صغانیاں، ترمذ، ہرات، خوازم، سبستان، مدائن، حمص وغیرہ۔ تک آپ کے علم و فضل اور خدمت خلق کا طوطی بولتا تھا۔

تقویٰ، عقلمندی اور قدردانی :

آپ کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ آپ نے اپنے شریک حفص بن عبد الرحمن سے کہا کہ فلاں کپڑے میں کچھ عیب ہے لہذا جب تم اسے بیچو تو خریدار کو واضح طور پر اس عیب کا بتلا دینا۔ لیکن جب حفص نے وہ کپڑا بیچا تو خریدار کو عیب کا بتلانے بھول گئے۔ اس واقعے کی جب امام ابو حنیفہ کو خبر ہوئی تو انہوں نے وہ ساری کمائی صدقہ کر دی۔ آپ کے عقلمندی کے بارے میں ائمہ حدیث و فقہ کے بہت سارے اقوال اور واقعات کتب میں ملتے ہیں۔ اہل علم کی قدردانی کے بارے میں حجر بن عبد الجبار کہتے ہیں کہ دوستوں اور اہل مجلس کا سب سے زیادہ اکرام و اعزاز کرنے والا شخص میں ابو حنیفہ کے علاوہ نہیں دیکھا۔

افراد سازی :

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے تلامذہ کو جمع فرمایا اور کہا کہ میں نے تم کو تیار کر دیا ہے اب تم میں سے 40 تو ایسے ہیں جو قاضی بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور 10 ایسے ہیں جو قاضی بنانے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اب تم اٹھو اور سارے عالم میں انصاف و عدل کی بہاریں چلا دو۔ چونکہ قانون سازی اور افراد سازی کے لیے محکمہ قضا سے دور رہنا حکمت و دانش کا تقاضا بھی تھا اور مجبوری بھی تھی اس لیے خود علمی کام میں مصروف رہے اور امام ابو یوسف کو چونکہ تیار کر لیا تھا اس لیے وہ چیف جسٹس بن گئے۔

قانون سازی :

امام ابو حنیفہ نے حضرت عمر بن عبد العزیز کا اڑھائی سالہ دور حکومت دیکھا

اس کے بعد جب یزید بن عبد الملک تخت نشین آراہو تو اس نے کہا عمر بن عبد العزیز فریب خوردہ شخص تھا اپنے عمال کو حکم جاری کیا کہ آج سے جیسے تین سالہ پہلے کی حالت تھی دوبارہ وہی حالات پیدا کیے جائیں چنانچہ ایسا ہوا بھی لوگ دوبارہ اسی ابتری کا شکار ہو گئے۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے جب یہ صورتحال دیکھی تو دو بنیادی کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے جس سے اسلامی ریاست قائم کی جاسکتی تھی وہ دو بنیادی کام قانون سازی اور افراد سازی کے تھے شریعت کو قانون کی شکل دینے کے لیے پرائیویٹ سطح پر ایک ادارہ قائم کیا جس میں مختلف الانواع علوم و فنون کے ماہرین بٹھائے اور باہمی مباحثے کرائے محتاط اندازے کے مطابق تقریباً 83 ہزار دفعات پر مشتمل عملی قوانین مرتب فرمائے، اسی طرح قانون سازی بھی کی گویا فقہ اسلامی کے پہلے مدون امام اعظم ابو حنیفہ ہیں۔

فقہ حنفی چند جزوی مسائل کا نام نہیں بلکہ ایک مضبوط اور مربوط نظام کا نام ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کے اقوال و آثار اور اجتہاد کی بنیاد پر ہے۔ اسلامی عقائد کی تعبیر و تشریح میں آپ کا بہت بڑا کردار ہے امام صاحب کے نزدیک فقہ صرف احکام کا نام نہیں بلکہ فقہ النفس جس کو (اخلاقیات یا تصوف) کہتے ہیں فقہ الاحکام اور فقہ العقائد بھی فقہ کے وسیع مفہوم میں شامل ہیں۔

عہدہ قضا سے انکار:

خطیب بغدادی نے روایت کی ہے کہ یزید بن عمر بن ہبیر، والی عراق نے امام ابو حنیفہ کو حکم دیا کہ کوفہ کے قاضی بن جائیں لیکن امام صاحب نے قبول نہیں کیا تو اس نے ایک سو دس کوڑے لگوائے۔ روزانہ دس کوڑے لگواتا جب بہت کوڑے لگ چکے امام صاحب قاضی نہ بننے پر ڈٹے رہے تو اس نے مجبور ہو کر چھوڑ دیا۔

ائمہ کرام کا خراج تحسین:

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں اگر وہ اس لکڑی کے ستون کو سونا کا ثابت کرنا چاہے تو دلائل کی قوت سے اسے ثابت کر سکتا ہے اور وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان موجود ہے کہ اگر کوئی شخص دین کی تفقہ حاصل کرنا چاہے وہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب سے حاصل کرے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے عیال ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں علم و روع اور تقویٰ کے جس مقام پر ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہے وہاں دنیا کا کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا۔

وفات:

146 ھ میں منصور نے قاضی القضاۃ کے عہدہ قبول نہ کرنے کی وجہ سے امام صاحب کو قید کر ڈالا۔ قید خانہ میں ان کا سلسلہ تعلیم بھی برابر قائم رہا۔ امام محمد نے جو فقہ کے دست بازو ہیں انہوں نے یہاں قید خانہ میں بھی آپ سے تعلیم حاصل کی۔ بالآخر جب 150 ھ میں بادشاہ نے آخری تدبیر یہ اختیار کی کہ ان کو زہر دلوادیا۔ جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں جاں بحق ہوئے۔ آفریں کے سپرد کردی ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی کل عمر 70 سال بنتی ہے۔

کفن و دفن:

آپ کی وفات کی خبر جنگل میں آگ کی طرح ہر سو پھیل گئی سارا شہر آپ کے جنازے کے لیے اٹھ آیا۔ قاضی شہر حسن بن عمارہ آپ کو غسل دے رہا تھا اور اس

کی زبان پر برابریہ جاری تھا:

”اے ابو حنیفہ! واللہ! تم سب سے بڑے فقیہ تھے، سب سے بڑے عبادت گزار تھے، سب سے بڑے زہد و تقویٰ کے مالک تھے، تم میں تمام خوبیاں پائی جاتی تھیں۔“

امام صاحب رحمہ اللہ نے وصیت کی تھی کہ خیزران میں دفن کئے جائیں۔ وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب آپ کی قبر تیار کی گئی۔
459ھ میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے آپ کی قبر کے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا جو ”مشہد ابی حنیفہ“ کے نام سے مشہور ہے۔

توجہ فرمائیں!!!

دفتر رسائل و جرائد کی طرف سے گزارش ہے کہ جن قارئین خریدار اور ایجنسی ہولڈرز کی سالانہ فیس پوری ہو چکی ہے یا ان کے ذمہ سابقہ رقم واجب الادا ہے وہ جلد از جلد اپنی رقم جمع کرائیں۔ تاکہ رسائل کو بلا تعطل اور بروقت روانہ کیا جاسکے۔ امید ہے کہ آپ ضرور شفقت والا معاملہ فرمائیں گے۔
نوٹ: رقم جمع کرانے کے بعد اطلاع ضرور دیں۔

فون نمبر: 03326311808

واٹس ایپ: 03062251253

اعتماد خصوصیت و مزاج علمائے دیوبند

مولانا سلیم اللہ خان

برصغیر میں اسلامی تاریخ کے عروج و زوال کی داستان بہت طویل ہے، یہاں صدیوں تک مسلمان بادشاہوں کی حکمرانی رہی اور ہند کے تمام خطوں میں اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی حکومت و قیادت کا جھنڈا لہراتا رہا، دوسری قوموں اور دوسرے مذاہب کی حیثیت یہاں ثانوی درجے کی ضرور رہی، لیکن قیادت و سیادت اور حکومت و سلطنت کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی، یہاں تک کہ تجارت کی غرض سے برصغیر میں داخل ہونے والے انگریزوں نے اپنے وسائل اور اپنی مکاری و عیاری سے طویل جدوجہد کے بعد یہاں قبضہ کر لیا اور برصغیر کے مزاج زندگی اور نظام تعلیم و تربیت کو بدلنے اور اسے انگریزی اور فرنگی سانچے میں ڈھالنے کے لیے ٹھوس اور طویل المیعاد منصوبہ بندی کی، یہ برصغیر میں اسلامی تہذیب و ثقافت، اسلامی تعلیم و تربیت اور مسلمانوں کے امتیازی تشخص کو مٹانے اور ختم کرنے اور مسلمانوں کی نئی نسل کو فرنگی مزاج میں رنگنے کا سوچا سمجھا خطرناک منصوبہ تھا۔

تب اللہ کے چند نیک اور مخلص بندوں نے ”دیوبند“ نامی بستی میں دفاعی لائحہ عمل کے طور پر ہند میں اسلامی تشخص اور اسلامی نظام تعلیم و تربیت کو برقرار رکھنے کے لیے بے سروسامانی کے عالم میں خالص اللہ پر توکل کرتے ہوئے ایک ”دینی مدرسہ“ کی بنیاد رکھی، یہ مدرسہ جو انار کے درخت کے نیچے سنہ 1268ھ میں ایک استاذ اور ایک شاگرد سے شروع ہوا تھا، بعد میں ”ازہر ہند“ دارالعلوم دیوبند کے نام سے جانا اور پہچانا گیا، اس کی شاخیں اور اس کے منہج پر قائم ہونے والے مدارس کا

پورے برصغیر میں ایک جال بچھتا چلا گیا، فرنگی منصوبہ بندی کے نتائج سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے حفاظتی اور دفاعی جال!... پھر ان مدارس میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے اور یہاں کے رنگ میں رنگنے والوں نے برصغیر میں مسلمانوں کے امتیازی تشخص کو برقرار رکھنے کا فریضہ تو انجام دیا ہی، تاہم انہوں نے صرف اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ فرنگی ملکوں میں جا کر ان کی تہذیب و کلچر پر یلغار کا اقدام بھی کیا، تب سے ان مدارس کو اغیار اپنی راہ کا کاٹنا اور اپنی منصوبہ بندی کی کامیابی کے لیے سب سے بڑی روکاٹ سمجھتے ہیں اور بجا سمجھتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور اس عظیم ادارے کی طرف منسوب اکابر علمائے دیوبند کی بہت سی خصوصیات تھیں، اخلاص و للہیت، دیانت و امانت، اسلامی علوم میں پختگی و مہارت، ان کی ترویج و اشاعت، خود داری و استغناء، حق کی حمایت، باطل کی تردید، اسلاف پر اعتماد، اتباع سنت، یہ سب صفات ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں، لیکن مجھے آج ان کی جس صفت اور جس خصوصیت کو ذکر کرنا ہے وہ ”اعتدال“ ہے۔

علمائے دیوبند کے مسلک و مزاج میں ”اعتدال“ وہ بنیادی عنصر و خصوصیت ہے جو انہیں افراط و تفریط سے بچا کر ٹھیک اسی راستے تک لے جاتی ہے جو ”ما انا علیہ و اصبابی“ کا مصداق ہے اور جس پر چلنے والے ”اہل السنۃ و الجماعت“ کہلاتے ہیں، اعتدال کی یہ صفت ان کی زندگی کے ہر شعبے میں جھلکتی ہے۔

راہ اعتدال پر چلنے والوں کے لیے ایک مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ افراط والے انہیں تفریط میں مبتلا سمجھتے ہیں اور اہل تفریط انہیں افراط کے زمرے میں شمار کرتے ہیں، علمائے دیوبند کے ساتھ بھی ایسا ہوا اور ہو رہا ہے، مثلاً علمائے دیوبند، قرآن و حدیث پر ایمان کامل اور عمل صالح کے ساتھ اسلاف پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں اور

قرآن و حدیث کی تشریح میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے کے بجائے ان کے اقوال و تشریحات کو مرکزی حیثیت دیتے ہیں، لیکن اس اعتماد اور عقیدت میں وہ اس قدر غلو نہیں کرتے کہ وہ شخصیت پرستی یا عبادت کے رتبے کو چھو لے، بلکہ یہ اعتماد اور عقیدت، فرق مراتب کو ملحوظ رکھ کر، اعتدال کی حدود کے اندر ہی اندر رہتی ہے۔

افراط تفریط میں مبتلا دونوں فریقوں نے علمائے دیوبند کے خلاف پروپیگنڈہ کیا، افراط والوں نے انہیں اہل تفریط میں شمار کیا اور تفریط والوں نے ان پر افراط کا الزام لگایا، چنانچہ ”حسام الحرمین“ نامی ایک کتاب لکھی گئی جس میں علمائے دیوبند پر گستاخ رسول ہونے کا الزام عائد کیا گیا اور پروپیگنڈہ کیا گیا کہ یہ لوگ اولیاء اللہ کو نہیں مانتے، ان کے دلوں میں اولیا کے لیے عقیدت و احترام کے جذبات نہیں ہیں۔ اس کے بالکل برعکس ایک دوسرے فریق کی طرف سے علمائے دیوبند کے خلاف کتابوں کا سلسلہ چل نکلا، جن میں باور کرایا گیا کہ یہ قبر پرست اور اسلاف و اکابر کی شخصیت پرستی میں مبتلا جماعت ہے، ”الدیوبندیہ...“ نامی کتاب اسی پروپیگنڈہ پر مشتمل ہے، لیکن الحمد للہ! علمائے دیوبند ادھر ہیں، نہ ادھر، نہ گستاخی کے مرتکب ہیں، نہ شخصیت پرستی میں مبتلا، بلکہ وہ درمیان کی راہ اعتدال کے راہی ہیں۔

اسلام کے بنیادی اہداف و مقاصد کے حصول کے لیے طریقہ کار اور لائحہ عمل اختیار کرنے میں بسا اوقات رائے کا اختلاف ہو جاتا ہے، ایک فریق اپنے تجربات، اپنی بصیرت اور علم کی روشنی میں ان بنیادی اہداف و مقاصد کے حصول کے لیے جو طریقہ اختیار کرتا ہے، دوسرا فریق اس طریقہ کو مفید نہیں سمجھتا اور اس سے مختلف لائحہ عمل اختیار کرنے کو ترجیح دیتا ہے، رائے کا اس طرح کا اختلاف اکابر علمائے دیوبند میں بھی مختلف مواقع پر ہوا ہے، عموماً اس طرح کے اختلاف کے موقع پر جادہ اعتدال

سے دونوں فریق ہٹ جاتے ہیں اور حالت یہ ہو جاتی ہے کہ فریق مخالف کی اچھائی بھی برائی نظر آنے لگتی ہے، جب کہ دوسری طرف اپنی جماعت کی شرعی قباحتوں کو بھی نظر انداز کرنے کا معمول بن جاتا ہے لیکن آفرین ہے اکابر علمائے دیوبند پر کہ انہوں نے رائے کے شدید اختلاف کے باوجود اعتدال کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

ہندوستان کے مسلمانوں میں دو نظریے تقسیم ہند سے بہت پہلے سے چلے آ رہے تھے، ایک یہ کہ مسلمان اقلیت میں ہیں، ان کو ہندوستان میں دوسری اقوام کے ساتھ مل کر سیاسی وجد و جہد کرنی چاہیے، ورنہ اکثریت کے خلاف رہ کر کسی سعی و کوشش کا کام یاب و بار آور ہونا بڑا مشکل ہے، دوسرا نظریہ یہ تھا کہ ہندو ایک تنگ نظر قوم ہے، اس کے ساتھ اتحاد کر کے مسلم قوم کسی مقصد تک نہیں پہنچ سکتی، اس لیے مسلمانوں کو اپنی جد و جہد الگ اور مستقل کرنی چاہیے، اکابر علمائے دیوبند ان دونوں نظریوں میں مختلف رہے، دونوں طرف اکابر بھی تھے اور دلائل بھی تھے، مقصد دونوں کا ایک تھا، لیکن لائحہ عمل اور طریقہ کار میں رائے اختلاف تھا۔

جب آزادی کی تحریک اپنے انجام کے قریب پہنچ رہی تھی، تو تقسیم ہند کی تحریک نے بھی زور پکڑا، مسلم لیگ نے تقسیم کا پرچم اٹھایا تو مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا قاری محمد طیب رحمہم اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ان کے ہم خیال علماء نے تقسیم ملک کی حمایت میں مسلم لیگ کی تائید کی، جنہیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی حمایت و تائید حاصل تھی۔ دوسری طرف جمعیت علماء ہند نے تقسیم ملک کو مسلمانوں کے مستقبل کے لیے ضرر رساں باور کیا، اس لیے انہوں نے تقسیم کی مخالفت کی۔ ان علماء کی قیادت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کر رہے تھے، یہاں سوال پاکستان کی

مخالفت یا حمایت کا نہیں تھا، جیسا کہ پروپیگنڈائی شور و غوغا کے ذریعے باور کیا اور کرایا جا رہا ہے۔ بلکہ سوال دراصل یہ تھا کہ آزادی کی کون سی صورت مسلمانوں کے لیے مستقبل میں مفید، بہتر اور کامیابی کی ضامن ہوگی؟ اس میں وحی تو کسی پر نازل نہیں ہو رہی تھی، فیصلہ انسانی سوچ اور رائے ہی کو کرنا تھا اور انسانی رائے میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔

تقسیم کی حمایت کرنے والے یہ سمجھ رہے تھے کہ مغربی تہذیب سے نجات پانے، مسلمانوں کے اپنے اسلام پر عمل پیرا ہونے اور اپنی زندگیوں کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کی واحد صورت یہی ہے کہ ملک کو تقسیم کر کے مسلمانوں کو ایک علیحدہ خطہ زمین دے دیا جائے، جہاں وہ اپنے دین کو نافذ کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں آزاد ہوں، تقسیم کی مخالفت کرنے والوں کا کہنا تھا کہ انگریز سے صرف آزادی حاصل کرو اور کچھ نہ کرو، اگر اس سے بٹوارہ کرایا گیا تو وہ یقیناً مسلمانوں کے حق میں ڈنڈی مارے گا اور پھر ساری زندگی پچھتنا پڑے گا۔

لیکن رائے کے اس شدید ترین اختلافات کے نازک دور میں بھی دونوں طرف کے بزرگوں کے آپس کے اکرام و احترام اور عقیدت و محبت کے یہ چند واقعات ملاحظہ ہوں:

حضرت مدنی رحمہ اللہ گرفتار ہوئے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ، اسارت کی خبر سن کر بہت غمگین ہوئے اور اس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ”مجھے خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے۔“ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ مولانا مدنی تو اپنی خوشی سے گرفتار ہوئے ہیں تو حضرت تھانوی نے فرمایا ”آپ مجھے اس جملے سے تسلی دینا چاہتے ہیں، کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، یزید کے مقابلے میں اپنی خوشی سے

نہیں گئے تھے؟ مگر آج تک کون ایسا شخص ہو گا جس کو اس حادثہ سے رنج نہ ہوا ہو۔“
(شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات، ص: 3)

ایک بار حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے
حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”میں مولانا حسین احمد کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین سمجھتا
ہوں، البتہ مجھے ان سے حجت (دلیل) کے ساتھ اختلاف ہے، اگر وہ اختلاف رفع ہو
جائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنیٰ سپاہی بن کر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔“

(مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول، ص: 2، 3)
ایک اور موقع پر فرمایا: ”میں اپنی جماعت میں مفتی کفایت اللہ صاحب کے
حسن تدبر کا اور مولانا حسین احمد صاحب کے جوش عمل کا معتقد ہوں۔“

ایک مرتبہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ سے فرمایا:
”ہمارے اکابر دیوبند کی بفضلہ تعالیٰ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، چنانچہ شیخ مدنی کے دو
خداداد خصوصی کمال ہیں، جو ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں، ایک تو مجاہدہ، جو کسی
دوسرے میں اتنا نہیں ہے، دوسرے تو اضع، چنانچہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے
آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔“

(حاشیہ مکتوبات شیخ الاسلام جلد دوم، ص: 172)
ایک مرتبہ فرمایا: ”مجھ کو اپنی موت پر بھی فکر تھی کہ بعد میں باطنی دنیا کی
خدمت کرنے والا کون ہے؟ مگر حضرت مدنی کو دیکھ کر تسلی ہو گئی کہ یہ دنیا ان سے
زندہ رہے گی۔“

(حوالہ بالا)

سنہ 1346ء میں دارالعلوم دیوبند سے حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری

رحمہ اللہ، مفتی عزیز الرحمن اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ چلے گئے اور دارالعلوم دیوبند شدید بحران کا شکار ہوا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ اس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے سرپرست بھی تھے اور مجلس شوریٰ کے رکن بھی، چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ ہی نے سرپرست کی حیثیت سے اس وقت کے مہتمم اور نائب مہتمم کو مشورہ دیا کہ حضرت مدنی کو دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس کا عہدہ سنبھالنے کے لیے لایا جائے، چنانچہ آپ کے مشورے پر عمل کیا گیا، مجلس شوریٰ نے ایک تجویز منظور کی، اس میں حضرت مدنی کے لیے بلند کلمات تحریر کیے گئے اور ان سے یہ عہدہ سنبھالنے کی درخواست کی گئی۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ نے کچھ شرطیں پیش کیں، وہ تمام شرطیں حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور مجلس شوریٰ نے منظور فرمائی اور اس طرح حضرت مدنی رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند میں آکر اپنی شان دار اور وسیع تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا۔ یہ تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے چند واقعات تھے، اب دوسری طرف حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ان کے ساتھ احترام و عقیدت کا حال ملاحظہ فرمائیں، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ حضرت مولانا (تھانوی) دامت برکاتہم کا نہایت معتقد اور ان کی تعظیم و احترام کو نہایت ضروری سمجھتا ہے، ان کی قابلیت اور کمالات کے سامنے اتنی بھی نسبت نہیں رکھتا جو کہ طفل دبستان کو افلاطون سے ہو سکتی ہے... میں مولانا کو اپنا مقتدی اور اپنے اکابرین میں سمجھتا ہوں۔“

(مکتوبات شیخ الاسلام، جلد اول، ص: 143)

حضرت مدنی رحمہ اللہ ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم سے ہمارا سیاسی اختلاف ہے اور بہت زیادہ اختلاف ہے، مگر جزئیات اور فروع اور اسلامک لاء جن کو سیاست سے تعلق نہیں ہے، ان میں ان کا قول قابل اعتماد ہوگا، مولانا موصوف کا اسلامی تفتہ اور علوم و فنون میں تمام عمر مصروف رہنا، ان کی تعلیم دینا، ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ ڈگری حاصل کرنا، ان میں بے شمار مفید اور کارآمد تصانیف کر کے عالم اسلامی اور خلائق کو فیض یاب بنانا آفتاب کی طرح دنیا میں روشن ہے اور ہو چکا ہے۔“

(مکتوبات شیخ الاسلام، جلد اول، ص: 43)

ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے بھتیجے مولانا سید فرید وحیدی صاحب نے ان سے پوچھا: ”حضرت! کیا حکیم الامت میں شان مجددیت تھی؟“ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے انتہائی سنجیدگی سے فرمایا:

”بے شک وہ مجدد تھے، انہوں نے ایسے وقت میں دین کی خدمت کی جب کہ دین کو بہت احتیاج تھی۔“

(تکملہ الاعتدال فی مراتب الرجال، ص: 21)

مولانا عبد الماجد دریا آبادی مرحوم، حضرت مدنی رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے، حضرت مدنی رحمہ اللہ خود بیعت کرنے کے بجائے ان کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے اور انہیں بیعت کرنے کے لیے سفارش فرمائی، مولانا دریا آبادی نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو پوری صورت حال بتائی کہ ”بیعت کے لیے جو بزرگ ہماری نظر میں ہیں، ان میں نمبر اول پر مولانا حسین احمد صاحب ہیں، اب آگے جناب کا جیسا ارشاد ہو۔“ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”آپ کا انتخاب بالکل صحیح ہے، میں اس سے بالکل اتفاق کرتا ہوں، آپ

مولانا حسین احمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کیجیے۔“

حضرت مدنی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”لیکن مجھ میں اس کی بالکل اہلیت نہیں اور جناب کے ہوتے ہوئے کسی اور

کی طرف رخ کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔“ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا ”مگر

مجھ پر تو آپ کو اعتماد ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ میں اہلیت ہے۔“

اب آپ اندازہ کریں کہ ان بزرگوں میں شدید سیاسی اختلاف کے باوجود

آپس کے احترام و عقیدت، ایک دوسرے کے مرتبے کی پہچان اور حدود کی رعایت کا

کیا عالم تھا، مولانا دریا آبادی نے دونوں بزرگوں کی ملاقات کا منظر یوں لکھا ہے:

”لوگ کہتے تھے کہ ان میں بے لطفی ہے، ناچاقی ہے، لیکن اس وقت

آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ دودشمن نہیں، بلکہ دودوست گلے مل رہے ہیں، تعظیم

و تکریم مولانا حسین احمد صاحب کی طرف سے تو خیر ہوتی ہی، عادت طبعی کی بنا پر بھی

اور سن میں چھوٹے ہونے کی بنا پر بھی، لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا تھا کہ ادھر سے بھی آداب

رسم و تکریم میں کوئی کمی نہ تھی، لا حول ولا قوۃ، لوگ بھی کیسی کیسی بے پر کی اڑایا کرتے

ہیں اور لوگ بھی کون؟ عوام کا لانعام نہیں، اچھے خاصے پڑھے لکھے، ثقہ راوی، خود ان

دونوں حضرات کے خدام و مریدین، بعض راوی زبانِ قال سے اور بعض زبانِ حال

سے۔ الحمد للہ کہ دونوں روایتیں غلط نکلیں۔“

(حکیم الامت از دریا آبادی، ص: 3)

دارالعلوم دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی رہائش گاہ کے پاس

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے حامی طلبہ نے چند پرچیاں پھینکیں، جن میں نامناسب اور

ناشائستہ جملے لکھے گئے تھے، حضرت مدنی رحمہ اللہ کو جب اس کا علم ہوا تو تمام طلبہ کو مسجد میں جمع کر کے حضرت عثمانی کے مقام و مرتبہ سے انہیں آگاہ کرتے ہوئے خطاب فرمایا اور آخر میں فرمایا: ”جن طلبہ نے یہ پرچیاں پھینکیں، میں اور تو کچھ نہیں کر سکتا، البتہ رات کے آخری حصے میں اٹھ کر ان کے لیے بدعا کروں گا۔“

اللہ اکبر! اندازہ کیجیے سیاست میں شدید اختلاف کے باوجود حضرت عثمانیؒ کی شان میں گستاخی کرنے سے حضرت مدنی رحمہ اللہ کو کس قدر تکلیف پہنچی، اس سے ان بزرگوں کے مقام و مرتبہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ہمارے استاذ و مربی مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے اکابر خلفاء میں سے تھے، ہم نے درجہ رابعہ تک ابتدائی کتاہیں ان ہی کے پاس پڑھیں اور پھر ان کے مشورے سے دارالعلوم دیوبند گئے اور وہاں دورہ حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے شرف تلمذ سے بہرہ ور اور سرفراز ہوئے، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب دورہ حدیث پڑھنے کے لیے دارالعلوم دیوبند جانے کا مشورہ دیا کرتے تھے، کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا: ”شیخ مدنی کے ہوتے ہوئے کہیں اور حدیث پڑھنے کا مشورہ میں کیسے دے سکتا ہوں؟“

ان واقعات کو ذکر کرنے کا مقصد اختلاف رائے کے موقع پر علمائے دیوبند کے معتدل مسلک و مزاج کو واضح کرنا ہے، ایسے مواقع پر عموماً ایک دوسرے پر کیچڑا چھلانے، سب و شتم کرنے، بے جا الزامات لگانے اور پروپیگنڈہ کرنے کا ایک طوفان کھڑا کر دیا جاتا ہے اور دونوں فریق ایک دوسرے کے اکابر کی شان میں گستاخی سے بھی دریغ نہیں کرتے، علمائے دیوبند کا مسلک و مزاج اور ان کا ذوق و مشرب اس قسم کی بے راہ روی سے کوسوں دور ہے، تقسیم ہند کے متعلق اکابر علمائے دیوبند کے

اختلاف اور ان کے مسلک کو ان چند واقعات کے آئینے میں آپ دیکھ سکتے ہیں، یہ ان کے اعتدال کی صرف ایک مثال ہے، رائے کے اختلاف کے دوسرے مواقع میں بھی ان کے اعتدال کا یہی عالم رہا، اب اگر کوئی شخص تقسیم ہند کے وقت دو نظریوں میں سے کسی ایک کا حامی ہے، لیکن دوسرے نظریے کے اکابر کی عقیدت و احترام اس کے دل میں نہیں، ایسے شخص کو آپ خالص ”کانگریسی“ یا خالص ”مسلم لیگ“ تو کہہ سکتے ہیں، لیکن حضرت مدنی اور حضرت تھانوی کی طرف انہیں اپنی نسبت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ رائے کے اختلاف کے مواقع پر جو بھی شخص حدود سے تجاوز کرے، ذاتیات پر اتر آئے اور اکابر کی شان میں دریدہ دہنی یا بدگمانی کا شکار ہو، یقیناً ایسا شخص اکابر دیوبند کے معتدل مسلک و مزاج سے ہٹا ہوا ہے اور اگر وہ ان کی طرف اپنا انتساب کرتا ہے تو اس معتدل مسلک و مزاج کے مطابق اپنی تربیت کا انتظام و اہتمام کرے۔

آج جب کہ علمائے دیوبند کی طرف نسبت کرنے والوں میں طریقہ کار کے اختلاف سے کئی سیاسی، جہادی اور سماجی جماعتیں بن گئی ہیں، اس لیے اعتدال کی تربیت کی اشد ضرورت ہے، مختلف جماعتوں کے ساتھ یہ وابستگی عموماً جذباتی ہوتی ہے اور جذبات کے بہاؤ کو حدود کے اندر رکھنے کے لیے اعتدال کے بہت مضبوط بند کی ضرورت ہوتی ہے۔ میری مختلف جماعتوں اور تنظیموں سے دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ اپنے کارکنوں اور اپنی جماعت سے وابستہ نوجوانوں کو اعتدال کی تربیت دیں، اسی طرح اہل مدارس، طلبہ کی تربیت کرتے ہوئے، ان میں اعتدال پیدا کرنے کی طرف خاص توجہ دیں اعتدال سے ہٹ کر یا افراط ہے یا تفریط اور وہ دونوں گمراہی کے راستے ہیں، اعتدال ہی اس امت کی خصوصیت اور راہ نجات ہے۔ ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ

امۃ وسطاً﴾ (اور ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے)۔

حرمین میں زوال سے پہلے اذان جمعہ۔ توجہ طلب پہلو

مفتی نجیب احمد قاسمی

نماز جمعہ کے اول وقت کے متعلق فقہاء و علماء کی دو رائیں ہیں۔ دونوں رائے ذکر کرنے سے قبل اختلاف کی اصل وجہ ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض روایات نماز جمعہ جلدی پڑھنے کے متعلق وارد ہوئی ہیں، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے سمجھا کہ نماز جمعہ زوال آفتاب سے قبل پڑھی جاسکتی ہے، حالانکہ کسی ایک صحیح حدیث میں بھی وضاحت کے ساتھ مذکور نہیں ہے کہ آپ ﷺ زوال آفتاب سے قبل جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ جمہور محدثین و فقہاء و علماء، نیز حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے کہ ان احادیث میں صرف نماز جمعہ کے لئے جلدی جانے کی تاکید کی گئی ہے نہ کہ زوال آفتاب سے قبل نماز جمعہ کی ادائیگی کی۔

جمہور محدثین و فقہاء و علماء، نیز حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہم اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت کے مطابق نماز جمعہ کا وقت ظہر کی طرح زوال آفتاب کے بعد سے ہی شروع ہوتا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ نماز جمعہ زوال آفتاب کے بعد ہی پڑھنی چاہئے لیکن اگر زوال آفتاب سے قبل نماز جمعہ ادا کر لی گئی تو زوال آفتاب کے بعد اعادہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جمعہ بھی عید ہے، اس لئے چاشت کے وقت پڑھنے کی گنجائش ہے۔ مشہور حنبلی عالم ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ صحیح مذہب کے مطابق جمعہ کی نماز زوال آفتاب کے بعد ہی واجب

ہوتی ہے اگرچہ پہلے ادا کرنے کی گنجائش ہے۔

جمہور محدثین و فقہاء و علماء کے قول کے بعض دلائل: جمہور علماء کے متعدد دلائل ہیں، لیکن اختصار کے مد نظر صحیح بخاری و صحیح مسلم میں وارد صرف دو احادیث ذکر کر رہا ہوں:

1: حدیث کی سب سے مستند کتاب لکھنے والے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب (صحیح بخاری) میں کتاب الجمعہ کے تحت ایک باب (Chapter) کا نام اس طرح تحریر کیا ہے: "جمعہ کا وقت زوال آفتاب کے بعد، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم اجمعین سے اسی طرح منقول ہے "غرضیکہ صحابہ کرام کے ساتھ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ کا بھی موقف واضح ہے کہ نماز جمعہ کا وقت زوال آفتاب کے بعد سے ہی شروع ہوتا ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اسی باب میں مذکورہ حدیث ذکر کرتے ہیں: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ جمعہ پڑھا کرتے تھے جس وقت سورج ڈھلتا یعنی زوال کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔ صحیح بخاری کی سب سے مشہور شرح لکھنے والے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں تحریر کرتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ زوال آفتاب کے بعد ہی نماز جمعہ ادا کرتے تھے۔ (فتح الباری) یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ کے علاوہ دیگر محدثین مثلاً امام ترمذیؒ نے بھی اپنی کتاب "ترمذی" میں ذکر کی ہے۔ خود حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مسند احمد" میں بھی ذکر کی ہے۔

2: حدیث کی دوسری مستند کتاب (صحیح مسلم) میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے

کتاب الجمعہ کے تحت ایک باب (Chapter) کا نام اس طرح تحریر کیا ہے: "جمعہ کی نماز زوال آفتاب کے بعد" اور اس باب میں یہ حدیث ذکر فرمائی ہے: حضرت ایاس بن سلمہ بن اکوع اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جب سورج زائل ہو جاتا تھا جمعہ کی نماز پڑھتے تھے، پھر سایہ تلاش کرتے ہوئے لوٹتے تھے۔ یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ عنہ نے بھی صحیح بخاری میں ذکر فرمائی ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں واردان دونوں احادیث میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نماز جمعہ زوال آفتاب کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

خلاصہ کلام: پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ جمعہ کے دن ظہر کی جگہ نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے اور اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے جماعت کے ساتھ نماز جمعہ ادا نہیں کر سکا تو اسے نماز ظہر ہی ادا کرنی ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نماز جمعہ وقت پر نہیں پڑھ سکا تو قضا ظہر کی نماز (یعنی چار رکعت) کی کرنی ہوگی۔ اسی طرح جمہور محدثین و فقہاء و علماء کا اتفاق ہے کہ نماز جمعہ کا آخری وقت 'ظہر کے آخری وقت کے مانند ہے، یعنی عصر کا وقت ہونے پر نماز جمعہ کا وقت ختم ہو جائے گا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ نماز جمعہ کا آخری وقت 'نماز ظہر کے آخری وقت کی طرح ہے۔ جب جمعہ کا آخری وقت ظہر کے آخری وقت کی طرح ہے تو نماز جمعہ کا اول وقت بھی ظہر کے اول وقت کی طرح ہونا چاہئے۔

اس پر بھی پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ نماز جمعہ زوال آفتاب کے بعد ہی ادا کرنی چاہئے، البتہ صرف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر زوال آفتاب سے قبل نماز جمعہ ادا کر لی گئی تو نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، جبکہ جمہور محدثین و فقہاء و علماء نے کہا کہ زوال آفتاب سے قبل جمعہ پڑھنے پر نماز جمعہ ادا ہی نہیں

ہوگی۔ لہذا احتیاط کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ نماز جمعہ زوال آفتاب کے بعد ہی ادا کی جائے، بلکہ پہلی اذان بھی زوال آفتاب کے بعد دی جائے تو اختلاف سے بچنے کے لئے بہتر ہے۔

مذکورہ اسباب کی وجہ سے جمہور فقہاء و علماء کا قول ہی زیادہ صحیح ہے:

1: جمہور محدثین و فقہاء و علماء نیز حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہم اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت کے دلائل مفہوم اور سند کے اعتبار سے زیادہ قوی ہونے کے ساتھ اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں، جبکہ دوسری رائے کے بعض دلائل اگرچہ صحیح احادیث پر مشتمل ہیں لیکن وہ اپنے مفہوم میں واضح نہیں ہیں، جبکہ دیگر روایات و آثار مفہوم میں تو واضح ہیں لیکن ان کی سند میں ضعف ہے۔

2: جمہور محدثین و فقہاء و علماء حتیٰ کہ چاروں ائمہ میں سے تینوں ائمہ، حضرت امام احمد بن حنبل کی دوسری روایت، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نووی رحمۃ اللہ علیہم اور چودہ سو سال سے جید علماء کی یہی رائے ہے کہ نماز جمعہ کا وقت زوال آفتاب کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔

3: جمہور علماء کا قول اختیار کرنے میں احتیاط بھی ہے کہ نماز جمعہ زوال آفتاب کے بعد پڑھنے پر دنیا کے کسی بھی عالم کا کوئی اختلاف نہیں ہے جبکہ زوال آفتاب سے قبل نماز جمعہ کی ادائیگی پر جمہور فقہاء و علماء کا فیصلہ ہے کہ نماز جمعہ ادا نہیں ہوگی اور بعد میں نماز کا اعادہ کرنا ضروری ہوگا۔

4: اگرچہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے زوال آفتاب سے قبل نماز جمعہ کی ادائیگی کی گنجائش رکھی ہے مگر انہوں نے یہی کہا ہے کہ نماز جمعہ زوال

آفتاب کے بعد ہی ادا کرنا بہتر ہے، چنانچہ سعودی علماء (جو اختلافی مسائل میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں) نے یہی کہا ہے کہ نماز جمعہ زوال آفتاب کے بعد ادا کی جائے۔

5: امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ کی شہادت کے مطابق حضرت عمر، حضرت علی، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم اجماع کا یہی موقف ہے کہ زوال آفتاب کے بعد نماز جمعہ کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت امام بخاریؒ اور حضرت امام مسلمؒ نے اپنی کتابوں (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں باب (Chapter) کا نام رکھ کر ہی اپنا موقف واضح کر دیا کہ زوال آفتاب کے بعد ہی نماز جمعہ کا وقت شروع ہوتا ہے۔

6: نماز جمعہ ظہر کی نماز کا بدل ہے اور آخری وقت کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا موقف جمہور علماء کے مطابق ہے، کہ عصر کے وقت پر جمعہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے، لہذا نماز جمعہ کا اول وقت بھی نماز ظہر کی طرح زوال آفتاب کے بعد سے ہی ہونا چاہئے۔

7: جمعہ کے وقت کی ابتدا زوال آفتاب سے قبل ماننے پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس وقت یا لمحہ سے نماز جمعہ کے وقت کی ابتدا مانی جائے؟ احادیث میں کوئی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے حنبلی مکتب فکر کے علماء میں بھی وقت کی ابتدا کے متعلق اختلاف ہے، چنانچہ بعض علماء نے تحریر کیا ہے کہ نماز عید کی طرح سورج کے روشن ہونے سے وقت شروع ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ زوال آفتاب سے قبل نماز جمعہ پڑھنے کا کوئی ثبوت احادیث میں نہیں ملتا ہے۔

8: زوال آفتاب کے بعد اذان اور نماز جمعہ کی ادائیگی کی صورت میں نماز پڑھنے

والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، اور یہ شریعت میں مطلوب ہے۔

9: خواتین اور معذور حضرات جن کو اپنے گھر نماز ظہر ادا کرنی ہوتی ہے، زوال آفتاب کے بعد پہلی اذان دینے پر انہیں نماز ظہر کی ادائیگی کا وقت معلوم ہو جائے گا۔ لیکن زوال آفتاب سے ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ قبل اذان دینے سے ان حضرات کے لئے نماز کے وقت شروع ہونے کا کوئی اعلان نہیں ہو گا۔

10: زوال آفتاب کے بعد پہلی اذان دینے پر سنن و نوافل پڑھنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ ورنہ زوال آفتاب کے وقت نماز کی ادائیگی مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے اس اہم فضیلت سے محروم رہ جاتے ہیں، حالانکہ احادیث میں اس وقت میں نماز پڑھنے کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے۔

حنبل مکتب فکر کے مشہور عالم دین علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز کتاب (المغنی ۳/۱۵۹) میں تحریر کرتے ہیں کہ امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ جمعہ زوال آفتاب کے بعد قائم کرنا چاہئے کیونکہ نبی اکرم ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز زوال آفتاب کے بعد پڑھتے تھے اور پھر نماز پڑھ کر سایہ تلاش کرتے ہوئے لوٹتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جمعہ پڑھا کرتے تھے جس وقت سورج ڈھلتا۔

(صحیح بخاری)

اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں ہے کیونکہ تمام علماء کا اتفاق ہے کہ زوال

آفتاب کے بعد یقیناً جمعہ کا وقت ہے لیکن زوال آفتاب سے قبل کے متعلق اختلاف ہے۔ اب جبکہ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ نماز جمعہ زوال آفتاب کے بعد ہی ہونی چاہئے تاکہ نماز جیسی اہم عبادت کی ادائیگی میں کوئی شک و شبہ نہ رہے، تو بعض مساجد میں خطبہ کی اذان کا زوال آفتاب سے قبل دینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

بلکہ اگر پہلی اذان بھی زوال آفتاب کے بعد دی جائے تو اس میں زیادہ احتیاط ہے نیز دیگر تمام ائمہ مجتہدین کی رائے کا احترام بھی ہے اور کسی طرح کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے بلکہ زوال آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل اذان دینے سے اذان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہی تو کہا ہے کہ اگر نماز جمعہ زوال آفتاب سے قبل ادا کر لی گئی تو اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے لیکن انہوں نے یہ تعلیم و ترغیب نہیں دی کہ ہم زوال آفتاب سے قبل اذان اول کا اہتمام کر لیں۔ حرین شریفین (مسجد حرام اور مسجد نبوی) میں جمعہ کی پہلی اذان عرصہ دراز سے زوال آفتاب کے بعد ہوتی چلی آرہی تھی، مگر کسی معقول وجہ کے بغیر چند ماہ سے زوال آفتاب سے قبل پہلی اذان دی جانے لگی ہے۔

ائمہ حرین اور سعودی حکام سے سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس پر خصوصی توجہ دیں کہ جمہور فقہاء و علماء کی رائے کا احترام کرتے ہوئے حرین شریفین (مسجد حرام اور مسجد نبوی) میں جمعہ کی پہلی اذان زوال آفتاب کے بعد ہی دی جائے جیسا کہ یہ سلسلہ عرصہ دراز سے جاری تھا۔ نیز سعودی عرب کی عام مساجد میں بھی یہ سلسلہ شروع ہو جائے تو بہتر ہے تاکہ ایسے وقت میں اذان دی جائے کہ اس میں دنیا کے کسی عالم کا کوئی اختلاف ہی نہ ہو۔

ایک کا سات سو گنا

مولانا محمد مبشر بدر

انسان دنیا میں خالی ہاتھ آتا ہے اور جاتا بھی خالی ہاتھ ہی ہے۔ دنیا میں جو کچھ اس کی ملک میں آتا ہے وہ سب اللہ عزوجل کی دین ہے جو وہ اپنے لطف و کرم سے اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ وہ انسانوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے، وہ دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی، اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ انسان کہتا ہے ”میرا مال، میرا مال“ حالانکہ اس نے جو کھا یا وہ فائدہ میں رہا جو آخرت کے واسطے بھیجا وہ ذخیرہ ہو گیا جو اسے بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا اور جو اس نے اپنے پیچھے چھوڑا اس کے بارے قیامت کے دن اس سے سوال کیا جائے گا۔

فطری طور پر انسان کے دل میں مال کی محبت ڈال دی گئی ہے، چنانچہ انسان کے لیے مال کی کمی طبعاً ناگوار ہوتی ہے، وہ ذخیرہ اندوزی کا قائل ہے، وہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس سونے چاندی کے انبار لگے ہوں، لیکن اس کا پیٹ مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ اکثر گھر میں داخل ہوتے وقت یہ فرماتے تھے ”اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تمنا کرنے لگے گا کہ اس کے ساتھ تیسری بھی مل جائے اور ابن آدم کا پیٹ تو مٹی ہی پر کرے گی۔“ (بخاری و مسلم)

مال کی اس حد درجہ محبت کی وجہ سے انسان میں بخل کا مرض پیدا ہو جاتا ہے، جس کی شریعتِ مطہرہ میں مذمت کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے۔ بخیل کبھی بھی اللہ کا دوست نہیں بن سکتا، اسی وجہ سے خدائے لم یزل نے

انسانوں کو اپنے پاکیزہ مالوں میں سے خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور قرآن مقدس میں جابجا صدقہ و خیرات کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ عبادات دو قسم کی ہیں: ایک کا تعلق انسان کے بدن سے ہے جسے بدنی عبادات کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کا تعلق انسان کے مال سے ہے جسے مالی عبادات کہا جاتا ہے۔ مالی عبادات میں صدقات و خیرات وغیرہ شامل ہیں جن کی دو قسمیں ہیں ”صدقات واجبہ اور صدقات نافلہ“ صدقات واجبہ میں اول درجہ زکوٰۃ کا ہے، جو ارکانِ اسلام میں اہم ترین رکن ہے اور مشہور قول کے مطابق قرآن مقدس میں بیاسی (۸۲) جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم ہے، جہاں جہاں صرف زکوٰۃ کا ذکر ہے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ترجمہ:

”اور میری رحمت (ایسی عام ہے کہ) تمام چیزوں کو محیط ہے۔ پس اس کو ان لوگوں کے لیے (کامل طور پر خاص طور سے) لکھوں گا جو خدا سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔“

آیت مبارکہ میں زکوٰۃ دینے والوں کے لیے اللہ کی رحمت کاملہ کی مکمل بشارت ہے، جو بہت بڑی سعادت اور نعمتِ عظمیٰ ہے کہ محض چند روپے اللہ کے راستے میں دینے سے انسان اتنے بڑے انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ زکوٰۃ سے مال پاکیزہ اور محفوظ ہو جاتا ہے، چنانچہ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ:

”اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے ذریعے محفوظ بناؤ، اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعے علاج کرو، بلا اور مصیبت کی موجوں کا دعا اور اللہ کے سامنے عاجزی سے مقابلہ کرو۔“ (ابوداؤد، طبرانی، بیہقی)

صدقہ دینے سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں، صدقہ جہنم کی آگ سے بچاؤ ہے۔

فقراء و مساکین پر خرچ اللہ کی رضا اور خوشنودی کا سبب اور آمدنی کا ذریعہ ہے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اے ابنِ آدم تو (میرے ضرورت مند بندوں پر) اپنی کمائی خرچ کر، میں اپنے خزانے سے تجھے دیتا رہوں گا۔“

(بخاری و مسلم)

سورہ بقرہ میں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والوں کے روپے کو اس دانے سے تشبیہ دی گئی ہے، جسے زمین میں بویا جائے پھر اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سودا نہ ہوں، یعنی کہ ایک دانے سے سات سودا نہ بن جاتے ہیں، اسی طرح اللہ اخلاص والوں کے اخلاص کے بقدر مقدار میں اضافہ فرماتا جاتا ہے۔ ایمان والا ایک روپیہ خرچ کرے اللہ اس کو سات سو گنا تک بڑھا کر واپس کرتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

”کون ہے جو اللہ کو قرض دے کہ اللہ اس کو بڑھا چڑھا کر لوٹائے

گا۔“ القرآن

اسلام کا یہ حکم انسانیت کی فلاح اور پرسکون معاشرہ تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، اگر تمام مال دار لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ نکالیں تو معاشرے میں غربت و افلاس ختم کی جاسکتی ہے، جس کے ہاتھوں تنگ آکر اچھے بھلے شریف لوگ بھی ڈاکہ زنی اور چوری چکاری کی عادت اپنالیتے ہیں۔ دنیا میں خود کشی کا عنصر تیزی سے پھیل رہا ہے اس میں سب سے زیادہ تعداد غربت کے ہاتھوں مجبور افراد کی ہوتی ہے جو بے روزگاری اور افلاس کی وجہ سے جان کی بازی ہار جاتے ہیں۔ ہم شادی بیاہ اور دیگر رسومات میں فضول پیسہ اڑا دیتے ہیں، محض دل بہلانے کے واسطے لاکھوں کروڑوں روپے ضائع کر دیتے ہیں، لیکن کبھی یہ نہیں سوچتے کہ اللہ نے ہمارے مالوں میں غرباء کا حق رکھ دیا ہے۔

میراث اور اس کے مسائل

مفتی محمد نجیب قاسمی

لغوی معنی: میراث کی جمع موارد جو میت چھوڑ کر مرے۔ علم میراث کو علم فرائض بھی کہا جاتا ہے، یعنی وہ مال و جائیداد جو میت چھوڑ کر مرے۔ علم میراث کو علم فرائض بھی کہا جاتا ہے، فرائض فریضہ کی جمع ہے، جو فرض سے لیا گیا ہے، جس کے معنی ”متعین“ کے ہیں۔ کیوں کہ وارثوں کے حصے شریعت اسلامیہ کی جانب سے متعین ہیں، اس لیے اس علم کو علم فرائض بھی کہتے ہیں۔

اصطلاحی معنی: اس علم کے ذریعہ یہ جانا جاتا ہے کہ کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کا وارث کون بنے گا اور کون نہیں؟ نیز وارثین کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟ قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر میراث کے احکام بیان کیے گئے ہیں، لیکن تین آیات (سورۃ النساء 11، 12 و 176) میں اختصار کے ساتھ بیشتر احکام جمع کر دیے گئے ہیں۔ میراث کے مسائل میں فقہاء و علماء کا اختلاف بہت کم ہے۔

علم میراث کی اہمیت:

دین اسلام میں اس علم کی بہت زیادہ اہمیت ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم کو پڑھنے پڑھانے کی متعدد مرتبہ ترغیب دی ہے۔ ☆... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علم فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، کیوں کہ یہ نصف علم ہے، اس کے مسائل لوگ جلدی بھول جاتے ہیں، یہ پہلا علم ہے جو میری امت سے اٹھایا جائے گا۔

(ابن ماجہ - باب الحث علی تعلیم الفرائض، 2719)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم فرائض کو نصف علم قرار دیا ہے۔ اس کی مختلف توجیہات ذکر کی گئی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں: ایک زندگی کی حالت اور دوسری مرنے کی حالت۔ علم میراث میں زیادہ تر مسائل موت کی حالت کے متعلق ہوتے ہیں، جب کہ دیگر علوم میں زندگی کے مسائل سے بحث ہوتی ہے، لہذا اس معنی کو سامنے رکھ کر علم میراث نصف علم ہوا۔

☆... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے بھی ایک دن دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ علم اٹھا لیا جائے گا اور فتنے ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ میراث کے معاملہ میں دو شخص اختلاف کریں گے تو کوئی شخص ان کے درمیان فیصلہ کرنے والا نہیں ملے گا۔
(ترمذی، مسند احمد)

☆... حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میراث کے مسائل کو سیکھا کرو، کیوں کہ یہ تمہارے دین کا ایک حصہ ہے۔

(الدارمی 2851)

☆... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص قرآن کریم کو سیکھے اس کو چاہیے کہ وہ علم میراث کو بھی سیکھے۔

(رواہ البیہقی فی "الکبریٰ" 6/209، والحاکم فی "المستدرک" 8072)

علم میراث کے تین اہم اجزاء ہیں:

موث: وہ میت جس کا ساز و سامان و جائیداد دوسروں کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔
وارث: وہ شخص جس کی طرف میت کا ساز و سامان و جائیداد منتقل ہو رہی ہے۔
وارث کی جمع ورثاء آتی ہے۔

مؤؤؤٹ: ترکہ، یعنی وہ جائیداد یا ساز و سامان جو مرنے والا چھوڑ کر مرا ہے۔

میت کے ساز و سامان اور جائیداد میں چار حقوق ہیں:

1: میت کے مال و جائیداد میں سے سب سے پہلے اس کے کفن و دفن کا انتظام کیا جائے۔

2: دوسرے نمبر پر جو قرض میت کے اوپر ہے اس کو ادا کیا جائے۔
☆... اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہمیت کی وجہ سے قرآن کریم میں وصیت کو قرض پر مقدم کیا ہے، لیکن باجماع امت حکم کے اعتبار سے قرض وصیت پر مقدم ہے۔ یعنی اگر میت کے ذمہ قرض ہو تو سب سے پہلے میت کے ترکہ میں سے وہ ادا کیا جائے گا۔ پھر وصیت پوری کی جائے گی اور اس کے بعد میراث تقسیم ہوگی۔

3: تیسرا حق یہ ہے کہ ایک تہائی حصہ تک اس کی جائز وصیتوں کو نافذ کیا جائے۔

شریعت اسلامیہ میں وصیت کا قانون بنایا گیا، تاکہ قانون میراث کی رو سے جن عزیزوں کو میراث میں حصہ نہیں پہنچ رہا ہے اور وہ مدد کے مستحق ہیں، مثلاً کوئی یتیم پوتا یا پوتی موجود ہے یا کسی بیٹے کی بیوہ مصیبت زدہ ہے یا کوئی بھائی یا بہن یا کوئی دوسرا عزیز سہارے کا محتاج ہے تو وصیت کے ذریعہ اس شخص کی مدد کی جائے۔ وصیت کرنا اور نہ کرنا دونوں اگرچہ جائز ہیں، لیکن بعض اوقات میں وصیت کرنا افضل و بہتر ہے۔ وارثوں کے لیے ایک تہائی جائیداد میں وصیت کا نافذ کرنا واجب ہے، یعنی اگر کسی شخص کے کفن و دفن کے اخراجات اور قرض کی ادائیگی کے بعد 9 لاکھ روپے کی جائیداد بچتی ہے تو 3 لاکھ تک وصیت نافذ کرنا وارثین کے لیے ضروری ہے۔ ایک تہائی سے زیادہ وصیت نافذ کرنے اور نہ کرنے میں وارثین کو اختیار ہے۔

نوٹ... کسی وارث یا تمام وارثین کو محروم کرنے کے لیے اگر کوئی شخص

وصیت کرے تو یہ گناہ کبیرہ ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے وارث کو میراث سے محروم کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کو محروم رکھے گا (کچھ عرصہ کے لیے)۔ (ابن ماجہ - باب الحیف فی الوصیہ)

4: چوتھا حق یہ ہے کہ باقی ساز و سامان اور جائیداد کو شریعت کے مطابق وارثین میں تقسیم کر دیا جائے۔

﴿نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ (النساء 7) ﴿فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ (النساء 11)

﴿وَصِیْئَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾ (النساء 12) ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ﴾ (النساء 13) سے معلوم ہوا کہ قرآن و سنت میں ذکر کیے گئے حصوں کے اعتبار سے وارثین کو میراث تقسیم کرنا واجب ہے۔

ورثاء کی تین قسمیں:

صاحب الفرض: وہ ورثاء جو شرعی اعتبار سے ایسا معین حصہ حاصل کرتے ہیں جس میں کوئی کمی یا بیشی نہیں ہو سکتی ہے۔ ایسے معین حصے جو قرآن کریم میں ذکر کیے گئے ہیں وہ چھ ہیں: 1/8 (آٹھواں) 2/3 (دو تہائی) 1/3 (ایک تہائی) 1/6 (چھٹا) 1/2 (آدھا) 1/4 (چوتھائی)۔

قرآن و سنت میں جن حضرات کے حصے متعین کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں: بیٹی (بیٹی کی عدم موجودگی میں پوتی)، ماں و باپ (ماں باپ کی عدم موجودگی میں دادا و دادی)، شوہر، بیوی، بھائی و بہن۔

عصبہ: وہ ورثاء جو میراث میں غیر معین حصے کے حق دار بنتے ہیں، یعنی اصحاب الفروض کے حصوں کی ادائیگی کے بعد باقی ساری جائیداد کے مالک بن جاتے ہیں، مثلاً بیٹا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن و سنت میں جن ورثاء کے حصے

متعین کیے گئے ہیں ان کو دینے کے بعد جو بچے گا وہ قریب ترین رشتہ دار کو دیا جائے گا
(بخاری و مسلم)

ذوی الارحام: وہ رشتہ دار جو نمبر ۱ (صاحب الفرض) اور نمبر ۲ (عصبہ) میں سے کوئی وارث نہ ہونے پر میراث میں شریک ہوتے ہیں۔

میراث کس کو ملے گی؟

تین وجہوں میں سے کوئی ایک وجہ پائے جانے پر ہی وراثت مل سکتی ہے۔

خونی رشتے داری: یہ دو انسانوں کے درمیان ولادت کا رشتہ ہے، البتہ قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کے رشتہ داروں کو میراث نہیں ملے گی، مثلاً میت کے بھائی و بہن اسی صورت میں میراث میں شریک ہو سکتے ہیں جب کہ میت کی اولاد یا والدین میں سے کوئی ایک بھی حیات نہ ہو۔ یہ خونی رشتے اصول و فروع و حواشی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اصول (جیسے والدین، دادا، دادی وغیرہ) و فروع (جیسے اولاد، پوتے، پوتی وغیرہ) و حواشی (جیسے بھائی، بہن، بھتیجے و بھانجے، چچا اور چچا زاد بھائی وغیرہ)۔

وضاحت... سورہ النساء آیت نمبر 7 ﴿مَّا تَرَكُوا الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ سے

یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میراث کی تقسیم ضرورت کے معیار سے نہیں، بلکہ قرابت کے معیار سے ہوتی ہے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ رشتہ داروں میں جو زیادہ حاجت مند ہو اس کو میراث کا زیادہ مستحق سمجھا جائے، بلکہ جو میت کے ساتھ رشتے میں قریب تر ہو گا وہ بہ نسبت بعید کے زیادہ مستحق ہو گا۔ غرضیکہ میراث کی تقسیم الاقرب فالاقرب کے اصول پر ہوتی ہے، خواہ مرد ہوں یا عورت، بالغ ہوں یا نابالغ۔

نکاح: (میاں بیوی ایک دوسرے کی میراث میں شریک ہوتے ہیں)۔

غلامیت سے چھٹکارا: (اس کا وجود اب دنیا میں نہیں رہا، اس لیے مضمون میں اس سے

متعلق کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔

شریعتِ اسلامیہ نے صنفِ نازک (عورتوں) اور صنفِ ضعیف (بچوں) کے حقوق کی مکمل حفاظت کی ہے اور زمانہ جاہلیت کی رسم و رواج کے برخلاف انہیں بھی میراث میں شامل کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم (سورۃ النساء آیت: 7) میں ذکر فرمایا ہے۔

مردوں میں سے یہ رشتے دار بیٹا، پوتا، باپ، دادا، بھائی، بھتیجا، چچا، چچا زاد بھائی، شوہر وارث بن سکتے ہیں۔

عورتوں میں سے یہ رشتے دار بیٹی، پوتی، ماں، دادی، بہن، بیوی وارث بن سکتے ہیں۔

نوٹ... اصول و فروع میں تیسری پشت (مثلاً پڑدادا یا پڑپوتے) یا جن رشتے داروں تک عموماً وراثت کی تقسیم کی نوبت نہیں آتی ہے، ان کے احکام یہاں بیان نہیں کیے گئے ہیں۔ تفصیلات کے لیے علماء سے رجوع فرمائیں۔

شوہر اور بیوی کی حصے: شوہر اور بیوی کی وراثت میں چار شکلیں بنتی ہیں۔

(سورۃ النساء 12)

☆... بیوی کے انتقال پر اولاد موجود نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو $\frac{1}{2}$ (آدھا) ملے گا۔

☆... بیوی کے انتقال پر اولاد موجود ہونے کی صورت میں شوہر کو $\frac{1}{4}$ (چوتھائی) ملے گا۔

☆... شوہر کے انتقال پر اولاد موجود نہ ہونے کی صورت میں بیوی کو $\frac{1}{4}$ (چوتھائی) ملے گا۔

☆... شوہر کے انتقال پر اولاد موجود ہونے کی صورت میں بیوی کو $1/8$ (آٹھواں) ملے گا۔

وضاحت... اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہیں تو یہی متعین حصہ ($1/4$ یا $1/8$) (آٹھواں) باجماع امت ان کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

باپ کا حصہ:

☆... اگر کسی شخص کی موت کے وقت اس کے والد حیات ہیں اور میت کا بیٹا یا پوتا بھی موجود ہے تو میت کے والد کو $1/6$ (چھٹا) ملے گا۔

☆... اگر کسی شخص کی موت کے وقت اس کے والد حیات ہیں، البتہ میت کی کوئی بھی اولاد یا اولاد کی اولاد حیات نہیں ہے تو میت کے والد عصبہ میں شمار ہوں گے، یعنی معین حصوں کی ادائیگی کے بعد باقی ساری جائیداد میت کے والد کی ہو جائے گی۔

☆... اگر کسی شخص کی موت کے وقت اس کے والد حیات ہیں اور میت کی ایک یا زیادہ بیٹی یا پوتی حیات ہے، البتہ میت کا کوئی ایک بیٹا یا پوتا حیات نہیں ہے تو میت کے والد کو $1/6$ (چھٹا) ملے گا۔ نیز میت کے والد عصبہ میں بھی ہوں گے، یعنی معین حصوں کی ادائیگی کے بعد باقی سب میت کے والد کا ہو گا۔

ماں کا حصہ:

☆... اگر کسی شخص کی موت کے وقت اس کی ماں حیات ہیں البتہ میت کی کوئی اولاد نیز میت کا کوئی بھائی بہن حیات نہیں ہے تو میت کی ماں کو $1/3$ (ایک تہائی) ملے گا۔

☆... اگر کسی شخص کی موت کے وقت اس کی ماں حیات ہیں، اور میت کی اولاد، میں سے کوئی ایک یا میت کے دو یا دو سے زیادہ بھائی موجود ہیں تو میت کی ماں کو $1/6$ (چھٹا) ملے گا۔

☆... اگر کسی شخص کی موت کے وقت اس کی ماں حیات ہیں، البتہ میت کی کوئی اولاد نیز میت کا کوئی بھائی بہن حیات نہیں ہے، لیکن میت کی بیوی حیات ہے تو سب سے پہلے بیوی کو $1/4$ (چوتھائی) ملے گا، باقی میں سے میت کی ماں کو $1/3$ (ایک تہائی) ملے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی طرح فیصلہ فرمایا تھا۔

اولاد کے حصے:

☆... اگر کسی شخص کی موت کے وقت اس کے ایک یا زیادہ بیٹے حیات ہیں، لیکن کوئی بیٹی حیات نہیں ہے تو ذوی الفروض میں سے جو شخص (مثلاً میت کے والد یا والدہ یا شوہر یا بیوی) حیات ہیں، ان کے حصے ادا کرنے کے بعد باقی ساری جائیداد بیٹوں میں برابر برابر تقسیم کی جائے گی۔

☆... اگر کسی شخص کی موت کے وقت اس کے بیٹے اور بیٹیاں حیات ہیں تو ذوی الفروض میں سے جو شخص (مثلاً میت کے والد یا والدہ یا شوہر، یا بیوی) حیات ہیں، ان کے حصے ادا کرنے کے بعد باقی ساری جائیداد بیٹوں اور بیٹیوں میں قرآن کریم کے اصول (لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر) کی بنیاد پر تقسیم کی جائے گی۔

☆... اگر کسی شخص کی موت کے وقت صرف اس کی بیٹیاں حیات ہیں، بیٹے حیات نہیں تو ایک بیٹی کی صورت میں اسے $1/2$ (آدھا) ملے گا اور دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہونے کی صورت میں انہیں $2/3$ (دو تہائی) ملے گا۔

وضاحت: اللہ تعالیٰ نے (سورۃ النساء ۱۱) میں میراث کا ایک اہم اصول بیان کیا ہے: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنثَىٰ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے متعلق حکم کرتا ہے کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

شریعت اسلامیہ نے مرد پر ساری معاشی ذمہ داریاں عائد کی ہیں چنانچہ بیوی

اور بچوں کے مکمل اخراجات عورت کے بجائے مرد کے ذمہ رکھے ہیں، حتیٰ کہ عورت کے ذمہ خود اس کا خرچہ بھی نہیں رکھا، شادی سے قبل والد اور شادی کے بعد شوہر کے ذمہ عورت کا خرچہ رکھا گیا۔ اس لیے مرد کا حصہ عورت سے دو گنا رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کو میراث دلانے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ لڑکیوں کے حصہ کو اصل قرار دے کر اس کے اعتبار سے لڑکوں کا حصہ بتایا کہ لڑکوں کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

بھائی و بہن کے حصے:

☆... میت کے بہن بھائی کو اسی صورت میں میراث ملتی ہے جب کہ میت کے والدین اور اولاد میں سے کوئی بھی حیات نہ ہو۔ عموماً ایسا کم ہوتا ہے، اس لیے بھائی بہن کے حصے کا تذکرہ یہاں نہیں کیا ہے۔ تفصیلات کے لیے علماء سے رجوع فرمائیں۔

خصوصی ہدایت: میراث کی تقسیم کے وقت تمام رشتہ داروں کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ اگر میت کا کوئی رشتہ دار تنگ دست ہے اور ضابطہ شرعی سے میراث میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے، پھر بھی اس کو کچھ نہ کچھ دے دیں، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے (سورہ النساء 8 و 9) میں اس کی ترغیب دی ہے۔ 10 ویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

تنبیہ: میراث وہ مال ہے جو انسان مرتے وقت چھوڑ کر جاتا ہے اور اس میں سارے ورثاء اپنے اپنے حصے کے مطابق حق دار ہوتے ہیں۔ انتقال کے فوراً بعد مرنے والے کی ساری جائیداد ورثاء میں منتقل ہو جاتی ہے۔ لہذا اگر کسی شخص نے میراث قرآن و سنت کے مطابق تقسیم نہیں کی تو وہ ظلم کرنے والا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تقسیم

میراث کی کوتاہیوں سے بچنے والا بنائے اور تمام وارثوں کو قرآن و سنت کے مطابق میراث تقسیم کرنے والا بنائے۔

نوٹ: انسان اپنی زندگی میں اپنے مال و سامان و جائیداد کا خود مالک ہے۔ اپنی عام صحت کی زندگی میں اپنی اولاد میں حتی الامکان برابری کرتے ہوئے، جس طرح چاہے اپنی جائیداد تقسیم کر سکتا ہے، البتہ موت کے بعد صرف اور صرف قرآن و سنت میں مذکورہ میراث کے طریقہ سے ہی ترکہ تقسیم کیا جائے گا، کیوں کہ مرتے ہی ترکہ کے مالک شریعت اسلامیہ کے حصوں کے مطابق بدل جاتے ہیں۔

نوٹ: یہاں میراث کے اہم اہم مسائل اختصار کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں، تفصیلات کے لیے علمائے کرام سے رجوع فرمائیں۔



گندم کا عشر یا اسکی قیمت

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا

کے طلبہ کو دیں

سالانہ خرچ 1100 من گندم۔

فی من گندم کی قیمت 1250 روپے۔

بنک اکاؤنٹ

MUHAMMAD ILYAS
AC NO. 14010100725862
Meezan Bank Sargodha

رابطہ

03062251253 - 03214231173



نماز جمعہ شہر اور بڑے دیہات میں ہی جائز ہے!

3: جو عرب قبیلہ مدینہ کے گرد و پیش میں رہتے تھے وہ وہاں پر جمعہ نہیں پڑھتے تھے اور نہ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان تمام منفی اشیاء کا ماخذ استقرء ہے کیونکہ مدینہ میں مسجد نبوی کے علاوہ اجتماع کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ ترمذی نے قباء کے ایک شخص سے اور انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی تھے روایت کیا کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ قباء سے جمعہ میں حاضر ہوں۔

ان احادیث و آثار اور اثر اول کے اتفاق سے یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ کھلے طور پر جمعہ کا مقصد کثیر جماعت ہے جس کیلئے جمعہ مشروع ہوا ہے اور اسی سے جمعہ کو وہ حیثیت بھی حاصل ہو گئی جو اہل کتاب کے دونوں دنوں کو حاصل ہے۔

اہل ظاہر پر تعجب ہوتا ہے کہ ان چیزوں سے وہ غافل ہیں اور اس اجتماع کے راز کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں مزید تعجب اس بات پر ہے کہ انہوں نے جمعہ کے لفظ پر غور نہیں کیا صحابہ نے اس دن کو یہ نام دیا اور قرآن نے اس کی تائید کی۔ تو محض اس لیے کہ اس دن اجتماع زیادہ ہوتا ہے اس کی مزید توضیح ذیل میں درج ہے۔

قاموس اور اس کی شرح میں مذکور ہے کہ جمعہ کا لفظ ج کے پیش اور م کے سکون دونوں حرف کے پیش اور ج کے پیش اور م کے زبر کے ساتھ صحیح ہے اس سے مشہور دن مراد ہے اس نام سے اسے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس دن میں مسجد کے اندر سب لوگ جمع ہوتے ہیں جن لوگوں نے اسے ج کے پیش اور م کے زبر کے

ساتھ پڑھا ہے وہ اس دن کے اندر لوگوں کے اجتماع کثیر کو ملحوظ رکھتے ہیں جیسا کہ ہمزہ ؛لزمة اور صحکتہ کے الفاظ کے معانی سے واضح ہے یعنی بہت عیب جو طعنہ زن اور ہنسنے والا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اہل لغت اس بات پر متفق ہیں کہ فُعْلَہ اور فُعْلَہ دونوں وزن مبالغہ کے ہیں پہلا مفعول کے مبالغہ کو اور دوسرا فاعل کے مبالغہ کو بتایا ہے اس لیے جمع کا معنی ہو گا۔ جمع کی گئی چیز یا جمع کرنے والوں کی کثرت۔ اور کوئی شخص نص اور اجماع کے بغیر اپنی رائے سے اس لفظ کو اس کے لغوی مفہوم سے علیحدہ نہیں کر سکتا جس کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عمل سے ہوتی ہے۔

(اصلاح المساجد ص 88، ص 89)

4: ظاہر یہ کے موقف پر مزید نظر ڈالتے ہوئے ہم یہ کہتے ہیں الاثنان فما فوقھا جماعۃ سے استدلال کرتے ہوئے وہ یہ بھول گئے کہ شریعت کی اصطلاح میں جماعت اور جمعہ میں فرق ہے۔

جمعہ کا لفظ حدیث میں ہوتا تو استدلال صحیح ہوتا علاوہ ازیں یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ سخاوی نے المقاصد الحسنۃ میں بتایا ہے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جمعہ کے علاوہ فرض نمازوں میں کسی نماز میں صرف دو آدمی ہوں تو ایک امام اور دوسرا مقتدی ہو اس طرح ان کی نماز ہو جائے گی۔

اس سے شارع کا مقصد یہ ہے کہ فرض ادا کرنے میں دو آدمیوں کو بھی مل جانا چاہیے اس طرح یہ وہم ختم ہو جائے گا کہ جماعت کے لیے کثیر تعداد ضروری ہے اور اس سے عبادت کے اندر تعاون و اتحاد پیدا ہو گا۔

اہل ظاہر کا یہ قول کہ جمعہ سوائے جماعت کی شرط کے دوسری نمازوں سے

مختلف نہیں غلو اور جمود پر مبنی ہے کیونکہ جمعہ کی شرائط، سنن، آداب اور دوسرے اہتمامات جن کا تذکرہ حدیث کی کتابوں کے طویل ابواب میں وارد ہے یہ تمام امور اس کے دیگر نمازوں سے مختلف ہونے کو یقینی بنارہے ہیں ابن قیم نے زاد المعاد میں جمعہ کے تیس سے زائد خصائص کا تذکرہ کیا ہے۔

(اصلاح المساجد ص 91؛ 92)

5: تعجب یہ ہے کہ ظاہر یہ جمعہ کے لیے جماعت کی شرط کس طرح مان گئی؟ مکمل جمود کا تقاضا تو یہ تھا کہ دوسری نمازوں کی طرح اس کے لیے بھی جماعت کی شرط ضروری نہ ہوتی ممکن ہے کہ جماعت کی شرط پر اجماع کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا ہو لیکن اس سے ان کے خلاف استدلال ہی کے لیے راہ ہموار ہو گئی اس لیے کہ علماء اصول اس بات پر متفق ہیں۔

کہ اجماع کیلئے قرآن یا حدیث قولی یا فعلی کا ہونا ضروری ہے اور اس اجماع کی سند نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور اس سند کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہنا کہ جمعہ دو آدمیوں سے صحیح ہو جائے گا غلط ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اہل مدینہ کے اجتماع سے جمعہ قائم کیا تھا اور اہل عوالی یا مدینہ کے گرد و پیش رہنے والے دوسرے لوگوں کو آپ نے یہ اجازت دی کہ وہ خود جمعہ پڑھیں۔

(اصلاح المساجد ص 92)

مذکورہ عبادات سے اس نظریے کی بھرپور تردید ہو گئی کہ دو آدمی جہاں بھی موجود ہوں جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں حالانکہ یہ روایت جمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں کیلئے ہے؟ اور ہے بھی ضعیف جیسا کہ جمال الدین قاسمی صاحب نے ص 91 پر لکھا ہے اور ناصر الدین البانی صاحب جو کہ اس طبقہ کے امام ہیں وہ بھی حاشیہ میں اس

روایت کو ضعیف کہتے چنانچہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں بعض کا ضعیف بہت زیادہ ہے جیسا کہ میں نے ارواع الغلیل [482] میں بیان کیا ہے۔

(اصلاح المساجد ص 84)

جس روایت کو بنیاد بنا کر ہر جگہ میں دو آدمیوں کے جمعہ پڑھنے کے نظریہ کو اختیار کیا گیا ہے جب وہی ضعیف ہے اور ہے بھی جمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں کیلئے تو پھر اس سے استدلال کیسے درست ہوگا؟

اگر روایات کے عموم سے خصوصی مسائل ثابت ہو سکتے ہیں اور اس کی بنیاد پر ہر جگہ جماعت سے دو آدمی نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں کہ وہ جماعت کا مصداق ہیں تو پھر ایک آدمی اکیلا جمعہ کیوں نہیں پڑھ سکتا؟ حالانکہ غیر مقلدین ایک آدمی کے جماعت ہونے کے بھی قائل ہیں۔

چنانچہ مشہور غیر مقلد عالم رئیس ندوی صاحب نے لکھا ہے اور اہل سنت کے مذہب پر ایک ہی آدمی قائم ہو تو وہی جماعت اہل سنت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دور میں تھے تنہا مومن تھے انہیں قرآن مجید نے پری امت قرار دیا ہے اور پوری دنیا کے گمراہ اکثریتی فرقوں کو کفار و مشرک و حق بتلایا ہے اور حدیث نبوی میں کسی بھی فرد کو امت کہا گیا ہے۔

(مجموعہ مقالات پر سلفی تحقیقی جائزہ ص 299)

اس کے عموم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک آدمی کے جمعہ پڑھنے کا نظریہ کیوں اختیار نہیں کیا جاتا؟

غیر مقلدین کے نظریے کی تردید کے لیے اتنا کافی ہے:

نماز جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہو چکی تھی لیکن نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے کفار کی شرائط کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں نماز جمعہ قائم نہیں فرمائی۔ ہاں البتہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں جمعہ کی نماز کے قیام کا حکم فرمایا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

عن المغيرة بن عبد الرحمن عن مالك عن الزهري عن عبيد الله عن ابن عباس قال أذن النبي صلى الله عليه وسلم الجمعة قبل أن يهاجر ولم يستطع أن يجمع مكة فكتب إلى مصعب بن عمير "أما بعد فانظر اليوم الذي تجهر فيه اليهود بالزبور فاجمعوا نساءكم وأبناءكم فإذا مال النهار عن شظيره عند الزوال من يوم الجمعة فتقربوا إلى الله - قال فهو أول من جمع حتى قدم النبي صلى الله عليه وسلم المدينة فجمع عند الزوال من الظهر و أظهر ذلك - رواه الدارقطني كما في التلخيص الحبير - ج 1 ص 133

(اعلاء السنن مترجم: ج 2 ص 324)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ ہی میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت ہو چکی تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں غلبہ کفار کی وجہ سے جمعہ کا انتظام نہ کر سکے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تم اس روز کو دیکھو جس دن یہود زبور بلند آواز سے پڑھتے ہیں اور اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کرو پس جس وقت جمعہ کے روز دن ڈھل جائے تو دو رکعتیں پڑھ کر خدا سے تقرب حاصل کرو۔ چنانچہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے جمعہ کا اہتمام کیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور زوال کے وقت کے بعد جمعہ پڑھایا اور اس کو ظاہر کیا۔ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

ولعله اخرجه في غرائب مالك فاني لم اجد له في سننه والمذكور من
السند رجاله كلهم ثقات من رجال الصحيح وفي المغيرة كلام لا يضر -
فقد وثقه ابن معين وابن حبان وابوزرعة واخرج له البخاري في الصحيح -
(تهذيب 264/10) وعادة المصنفين ان ما يحذفونه من الاسناد يكون سالماً
من الكلام وذكره الحافظ في الفتح (294/2) ايضاً مختصراً فهو اما حسن او
صحيح على قاعدته -
(اعلاء السنن مترجم ج 2 ص 325)

(اور شايد کہ علامہ دارقطنی نے اس روایت کو غرائب مالک میں نقل کیا ہے
سنن دارقطنی میں یہ روایت مجھے نہیں ملی) اس روایت کی جو سند ذکر کی گئی ہے اس کے
سب آدمی ثقہ اور صحیح کے رجال میں سے ہیں اور راوی مغیرہ کے متعلق کلام مضر نہیں
ہے۔ اس لیے کہ علامہ ابن معین، علامہ ابن حبان، علامہ ابوزرعة نے اس کو ثقہ قرار
دیا ہے اور امام بخاری نے بھی صحیح بخاری میں اس سے روایت لی ہے۔ (تهذيب
264/10) اور مصنفین کی عادت ہے کہ وہ کلام سے محفوظ اسناد کو حذف کر دیتے ہیں
اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری (294/2) میں اس روایت کو مختصر ذکر
کیا ہے۔ سو یہ روایت ان کے قاعدے کے مطابق یا تو حسن ہے یا صحیح۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت معجم کبیر اور معجم اوسط
طبرانی میں مروی ہے جس سے مذکورہ حدیث کی تائید ہوتی ہے چنانچہ حافظ ابن حجر
رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: عن ابی مسعود الانصاری
رضی اللہ عنہ قال: اول لمن قدم المهاجرين المدينة مصعب بن عمير وهو
اول من جمع بها يوم الجمعة جمعهم قبل ان يقدم رسول الله صلى الله عليه
وسلم وهم اثنا عشر رجلاً -
(تلخيص الجبر ج 2 ص 56)

نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر پڑھی جانے والی دعا

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن کی زیر نگرانی مرکز اہل السنۃ والجماعۃ کے ”آن لائن دارالافتاء“ سے پوچھے گئے سوالات و جوابات کا سلسلہ
نوٹ: سائل کو جواب میل کرنے کے بعد افادہ عام کے لیے ادارے کی
آفیشل ویب سائٹ www.ahnafmedia.com/darulifta پر
اپ لوڈ کر دیا جاتا ہے۔

ای میل ایڈریس: mufti@ahnafmedia.com

سوال:

محترم حضرت مفتی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک مسئلہ میں دینی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ پانچوں نماز کے بعد اپنے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بہت سے بھائی جو کوئی بھی ذکر، وظیفہ، عمل یا دعا پڑھتے ہیں وہ فرض ہے؟ واجب ہے؟ سنت ہے؟ یا صرف اولیاء دین کا معمول؟

سائل: عبید اللہ پالنپور گجرات انڈیا

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت کی ساری خوشیاں نصیب فرمائے۔ آج کل یہ

سوال بہت گردش کر رہا ہے اور بہت سارے احباب نے اس بارے شرعی آگاہی کا اظہار کیا ہے۔ نماز کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر کوئی وظیفہ یا کوئی عمل کرنا فرض یا واجب تو نہیں ہے البتہ بغرضِ علاج کوئی وظیفہ (مثلاً حافظہ کی کمزوری کو دور کرنے اور یادداشت کو بڑھانے یا اسی طرح دیگر ضروریات کے لیے) پڑھ لیا جائے تو جائز ہے۔

ایک... تو اس لیے کہ صحیح المعنی کلمات کے ذریعے علاج کا ثبوت خود احادیث مبارکہ میں ملتا ہے۔ دود لیلیں پیش کی جاتی ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اشْتَكَى يَقْرَأُ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَيَنْفَعُ فَلَمَّا اشْتَدَّ وَجَعُهُ كُنْتُ أَقْرَأُ عَلَيْهِ وَأَمْسَحُ بِبَيْدِهِ رَجَاءً بَرَكْتِهَا.

(صحیح البخاری: 5016)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو مُعَوِّذَاتِ (سورۃ الاخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس) پڑھ کر اپنے اوپر پھونک مارتے، پھر جب (مرض الوفات میں) آپ کی تکلیف زیادہ ہو گئی تو میں ان سورتوں کو پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھتی تھی اور اپنے ہاتھوں کو برکت کی امید سے آپ کے جسد مبارک پر پھیرتی تھی۔

عن أبي سعيد أن جبريل أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يا محمد اشتكيت فقال نعم قال باسم الله أرقيك من كل شيء يؤذيك من شر كل نفس أو عين حاسد الله يشفيك باسم الله أرقيك.

(صحیح مسلم: 2186)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی

اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو حضرت جبریل نے آکر پوچھا: ”اے محمد! کیا آپ بیمار ہو گئے؟“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے (کچھ کلمات پڑھ کر آپ کو دم کیا چنانچہ) کہا: بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ (ترجمہ: میں اللہ کے نام پر آپ کو جھاڑتا ہوں ہر اُس چیز سے جو آپ کو اذیت دے اور ہر نفس اور حاسد کی نظر کے شر سے، اللہ آپ کو شفا دے، میں اُس کے نام پر آپ کو جھاڑتا ہوں)

ان دو حدیثوں سے ثابت ہوا کہ صحیح المعنی کلمات پڑھنا یا ان کو پڑھ کر جسم پر ہاتھ پھیرنا بغرض علاج جائز ہے۔ عمل مذکور بھی اسی طرز کا ہے، لہذا بغرض علاج یہ بھی ان دلائل کی بناء پر جائز ہے۔

دوسرا... سر پر ہاتھ رکھ کر وظیفہ پڑھنے کا یہ عمل اس لیے بھی جائز ہے کہ صراحتاً اس کا ثبوت خود حدیث مبارک سے ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: كَانَ إِذَا صَلَّى مَسَحَ بِيَدِهِ الْيَمْنَى عَلَى رَأْسِهِ وَيَقُولُ: بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اللَّهُمَّ أَذْهِبْ عَنِّي الْهَمَّ وَالْحَزْنَ.

(کنز العمال: حدیث نمبر 17915، کتاب الاذکار للنووی: ص 38)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے تھے تو اپنے دائیں ہاتھ سے اپنی پیشانی پر مسح فرماتے (یعنی دایاں ہاتھ پیشانی پر رکھتے) اور یہ الفاظ پڑھتے تھے: بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اللَّهُمَّ أَذْهِبْ عَنِّي الْهَمَّ وَالْحَزْنَ.

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ

(مفتی) شبیر احمد حنفی

الجواب الصحيح

(مولانا) محمد الیاس گھسن

تبصرہ کتب

کھ..... مولانا محمد کلیم اللہ حنفی

تنویر النبراس علی من انکر تحذیر الناس

نام کتاب:

حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ

تصنیف:

مولانا محمد اسحاق مدرس مرکز اہل سنت سرگودھا

تدوین حواشی:

صفحات: 240

ملنے کا پتہ: مکتبہ اہل السنۃ والجماعت سرگودھا

03216353540

حجتہ الاسلام حضرت مولانا امام محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اپنے علم و فضل، ورع و تقویٰ، تقریر و تحریر، مذہبی و سیاسی اور تعلیمی خدمات کے لحاظ سے بلا شبہ ایک ایسی شخصیت تھی جس کی مثالیں ہر زمانے کی تاریخ میں گنی جاتی ہیں۔ حضرت حجتہ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی عملی کاوشوں سے اس حصے کی تاریخ پر انمٹ ثرات مرتب کئے ہیں اور تاریخ کے دھارے کو اسلام اور اہل اسلام کے حق میں موڑا ہے۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ آج برصغیر پاک و ہند میں جہاں جہاں علم دین کی کوئی کرن موجود ہے وہ زیادہ تر اس آفتاب علم کا عکس ہے بحر علم و حکمت کے اس شاعر کو اللہ رب العزت نے جو علوم و معارف عطا فرمائے تھے ان کی مثال اس دور میں خال خال ہی ہے اس مرد باخدا نے اس زمانے میں ہندستان کے اندر حق کا آواز بلند کیا جب وہاں جہان کے پرستاروں کیلئے دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے انہوں نے اپنی زندگی میں جہاد بالسیف و جہاد بالقلم، جہاد باللسان خوب کیا اور آخر میں دیوبند

کے اندر دارالعلوم کے نام سے ایک ایسا چشمہ فیض جاری کر دیا جس سے ایک عالم سیراب ہو رہا ہے۔

تعویر النبراس علی من انکر تحذیر الناس : حضرت امام محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تصنیف ہے جس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تحذیر الناس ہونے اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں اور اس کے ساتھ عظمت و مقام نبوت اور عقائد اہل السنۃ والجماعت کو احسن انداز میں تحریر کیا ہے مثلاً

1۔ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کون و مکان زمین و زمان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف حاصل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے شرف نہیں۔ ص 50

2۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام زمینوں کے نبی اور بادشاہ ہیں اور شاہنشاہوں کے شاہنشاہ نبوت ہیں۔ ص 83

3۔ معترض کو خطاب کر کے فرماتے ہیں: کیا صاحب تحذیر کی وہ تصریحات آپ کی نظر سے نہیں پڑیں منکر ختم۔۔۔۔۔ کا کافر ہونا ظاہر ہے اور کیا ان کی وہ تقریر نہیں دیکھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہ نسبت انبیاء ماتحت بھی خاتم زمانی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ص 97

4۔ ہمارا ایمان ہے کہ عالم شہادت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد نہ کوئی نبی ہوا، نہ ہوگا، نہ اس زمین پر نہ کسی اور زمین پر اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوا نہ ہوگا، نہ یہاں نہ کہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی علیہ وسلم کیلئے مثل خاتمیت زمانی خاتمیت مرتبی کے بھی اسی لفظ خاتم النبیین کی دلالت کے باعث قائل ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الانبیاء علیہم السلام کہنا ضروری ہے اور پھر بایں نظر کہ ہر صفت اپنے موصوف بالذات میں بوجہ اتم ہوتی اور اوروں میں اس کا فیض اور اس سے کم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق افضل کہنا لازم ہوگا۔

(ص 99:98)

یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے پوری کتاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ اور عظمت و شان سے بھری ہوئی ہے جیسے پڑھ کر دل عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے معمور ہوتا ہے اور قلب و دماغ کے در پیچے کھلتے ہیں کتاب مجموعی طور پر عام فہم ہے لیکن بعض جگہ پر دقیق مباحث بھی آگئی ہیں۔

عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بانٹنے والی یہ مبارک کتاب ابھی تک مخطوطہ کی شکل میں تھی اور اس کی طباعت کی نوبت ابھی تک نہیں آئی تھی مرکز اہل سنت والجماعت سرگودھا کے کہنہ مشق استاذ مولانا محمد اسحاق نے بڑی جستجو سے اس کو حاصل کیا اور بڑی محنت کے ساتھ اس پر عنوانات اور مختصر پر اثر حواشی لگائے اور افادہ عام کے لیے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کر کے علم دین کی ایک گراں قدر خدمت انجام دی ہے۔ کتاب کے آخر میں ختم نبوت اور صاحب تحذیر الناس کے نام سے مولانا محمد سیف الرحمن قاسم کا مقالہ میں ملحق ہے جس میں قادیانی اور ان کے ہم نواؤں کے اعتراضات کے جواب دیے گئے ہیں۔

بہر کیف! کوئی شک نہیں کہ ختم نبوت، مقام نبوت اور عقائد اہل سنت والجماعت بانٹنے کیلئے یہ کتاب ایک مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کی اشاعت سے اسلامی ادب کی ثروت میں ایک قابل قدر اضافہ ہوا ہے ہماری رائے میں یہ کتاب ہر لائبریری ہر دینی اور علمی ذوق رکھنے والے مسلمان تک پہنچنی چاہیے۔

نام کتاب: عظمت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

افادات: محقق زمان حضرت مولانا محمد نافع نور اللہ مرقدہ

ترتیب: ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ

صفحات: 184

ملنے کا پتہ: دارالکتاب، اردو بازار، لاہور

03214650131

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی مشہور کتاب "الإصابة في تمييز الصحابة" میں "صحابی" کی تعریف یوں کی ہے: الصحابی من لقي النبي صلى الله عليه وسلم مؤمنًا به، ومات على الإسلام. صحابی اسے کہتے ہیں جس نے حالتِ ایمان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور اسلام پر ہی فوت ہوا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ مزید کہتے ہیں: فيدخل فيمن لقيه من طالت مجالسته له أو قصرت، ومن روى عنه أو لم يرو، ومن غزا معه أو لم يغز، ومن رآه رؤية ولو لم يجالسه، ومن لم يره لعارض كالعبي. ويخرج بقيد الإيمان من لقيه كافرًا ولو أسلم بعد ذلك إذا لم يجتمع به مرة أخرى۔

اس تعریف کے مطابق ہر وہ شخص صحابی شمار ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حال میں ملا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننا تھا پھر وہ اسلام پر ہی قائم رہا یہاں تک کہ اس کی موت آگئی خواہ وہ زیادہ عرصہ تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا یا کچھ عرصہ کے لیے خواہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو روایت کیا ہو یا نہ کیا ہو خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنگ میں شریک ہوا ہو یا نہ ہوا ہو خواہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں

سے دیکھا ہو یا بصارت نہ ہونے کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر سکا ہو ہر دو صورت میں وہ "صحابی رسول" شمار ہو گا۔ اور ایسا شخص "صحابی" متصور نہیں ہو گا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گیا ہو۔

صحابی ہونے کا یہ مقام محض اپنے اختیار اور محنت و ریاضت سے نہیں ملتا بلکہ یہ مقام خدائی انتخاب ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے اہل السنۃ والجماعت کا متفقہ اور اجماعی نظریہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جنتی ہیں، معیار حق ہیں، حجت ہیں، تنقید سے بالاتر ہیں، محفوظ ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب عظمت صحابہ کرام میں مصنف نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت کے چند مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ جن میں

جیت صحابہ کرام، عدالت صحابہ کرام، اتباع خلفائے راشدین، مقام صحابہ کرام، عمومی فضائل صحابہ کرام اور مشاجرات صحابہ کرام وغیرہ بطور خاص ہیں۔ اصل میں مصنف موصوف اس کو اپنی مقبول عام کتاب فوائد نافعہ کی تیسری جلد بنانے کا عزم رکھتے تھے۔

لیکن علالت کے باعث ایسا نہ کر پائے پھر آپ نے یہ ذمہ داری اپنے قابل اعتماد شاگرد ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ کو سونپی۔ اور ان سے خط و کتاب کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ بالآخر حافظ صاحب کی انتھک محنت سے حضرت مصنف موصوف کا علمی ذخیرہ چھپ کر منظر عام پر آ گیا ہے۔

انتہائی مفید کتاب ہے۔ پڑھنے سے ایمان کو تازگی ملتی ہے۔ آج کے پر فتن دور میں جب ہر طرف سے فتنوں کی بوچھاڑ ہے ایسے وقت میں اپنے ایمان و اعمال کی حفاظت کے لیے ایسی کتب ضرور پڑھنی چاہئیں۔

”کارگزاریاں“

متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ امیر عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعت عقائد اسلامیہ اور مسائل اہل السنۃ والجماعت کی اشاعت و تحفظ کے لیے دنیا بھر میں مسلسل مصروف عمل ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام میں عقیدہ و عمل کے بارے شعور بیدار ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں ادارہ کو بہت زیادہ پیغامات بذریعہ ای میل، واٹس ایپ، میسجز موصول ہوتے ہیں۔ جنہیں ہم مستقل عنوان ”کارگزاریاں“ سے آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اگر آپ بھی اپنی کارگزاری بھیجنا چاہتے ہوں تو ہم سے رابطہ کریں۔

ای میل: mag@ahnafmedia.com

واٹس ایپ + میسجز: +923062251253

قاری محمود تونسہ شریف سے:

محترم و مکرم متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کچھ عرصہ قبل آپ ہمارے علاقے میں تشریف لائے، ہمارے علاقے میں کچھ غیر مقلدین بھی تھے۔ ہم نے ان کو بھی دعوت دی کہ آپ آئیں اور ہمارا مسلک دلائل کی روشنی میں سنیں۔ آپ نے بہت خوب بیان کیا۔ جلسہ کے دوران ان کے ایک مولانا صاحب جو پکے غیر مقلد تھے۔ آپ کا بیان سن کر روتے رہے اور کہتے رہے کہ میں نے زندگی میں پہلی بار ایسا مدلل اور معتدل علمی بیان سنا ہے۔ ہم بلاوجہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے پیروکاروں کو غلط سمجھتے رہے ہیں۔ اللہ ہمیں معاف کرے۔

لوحِ ایام

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا میں معزز مہمانان گرامی کی آمد اور متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ کے اندرون و بیرون ممالک کے مختلف مسکلی اسفار اہم مذہبی، سیاسی اور سماجی شخصیات سے خصوصی ملاقاتیں

❖ 3 اپریل بروز اتوار مرکز اصلاح النساء میں سالانہ خواتین اجتماع ہوا جس میں علاقہ بھر سے خواتین نے شرکت کی۔

❖ 7 اپریل بروز جمعرات ماہانہ تین روزہ تحقیق المسائل کو رس منعقد ہوا۔ جس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد شریک ہوئے۔

❖ 7 اپریل بروز جمعرات کو مرکز اہل السنۃ والجماعت میں ماہانہ اصلاحی و خانقاہی اجتماع ہوا۔ جس میں متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن نے بیان کیا بعد ازاں مجلس ذکر بھی کرائی اور چاروں سلاسل میں کثیر افراد کو بیعت بھی فرمایا۔

❖ 8 اپریل بروز جمعۃ المبارک ملک پاکستان کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم عید گاہ کبیر والا کے رئیس الافقاء مفتی حامد حسن اور استاذ العلماء مولانا محمد اسماعیل ارشد مرکز اہل السنۃ والجماعت میں تشریف لائے۔

❖ 9 اپریل بروز ہفتہ لاریب میرج ہال اسلام آباد میں پانچواں امام اعظم ابو حنیفہ سیمینار ہوا جس میں متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن کا خصوصی خطاب ہوا۔

❖ 13 اپریل جمعیت علماء اسلام (ف) آزاد کشمیر کے امیر مولانا سعید یوسف خان مرکز اہل السنۃ والجماعت تشریف لائے۔ اور علماء اساتذہ و طلباء سے خطاب کیا انہوں نے متکلم اسلام کی خدمات کو خوب سراہا۔

ماہنامہ فقیہ ملنے کے پتے

ایجنسی ہولڈرز	علاقہ	فون نمبرز
دارالایمان	کراچی	03342028787
ڈاکٹر تحسین اللہ	پشاور	03339217613
مولانا محمد نوید حنیف	آزاد کشمیر	03132317090
مولانا محمد شہباز	کبیر والا	03066310082
مولانا محمد صدیق	ڈیرہ غازی خان	03356351893
مولانا محمد قاسم	ملتان	03007408019
مولانا عمر خطاب	اٹک	03077375075
رحمت اللہ	کوہاٹ	03449251287
مولانا خالد زبیر	فیصل آباد	03153759031
مولانا خالد زبیر	چکوال	03335912502
محمد رئیس	ٹانک	03319143483
مولانا محمد دلاور	ادوکارہ	03136969193
مولانا عبد اللہ قمر	قصور	03008091899
مولانا عبد اللہ شہزاد	حافظ آباد	03212374824
عبد الوکیل عزیزی	سیالکوٹ	03338639255
ذوالقرنین حیدر	ڈیرہ اسماعیل خان	03343682508

نوٹ: ایجنسی بک کروانے کے لیے رابطہ کریں: 03326311808